# محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ

## مقالہ برائے ایم ایڈ


مقالہ نگار
رب نواز احمدانی
رول نمبر ۹۷۸-UE

نگرانِ مقالہ
ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ


~~یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور~~
گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ (مردانہ)
ڈیرہ غازی خان


۲۰۱۳ء

# محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ

مقالہ برائے ایم ایڈ


مقالہ نگار:

رب نواز احمدانی

رول نمبر: UE-۶۱۷۸

نگران مقالہ:

ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ

یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہورر

گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ (مردانہ)

ڈیرہ غازی خان


۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

# محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ


رب نواز احمدانی

رول نمبر:۶۱۷۸_UE


یہ تحقیقی مقالہ ایم ایڈ ڈگری کے تقاضوں کی جزوی تکمیل کے لیے یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور رگورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ (مردانہ) ڈیرہ غازی خان میں پیش کیا گیا۔

# دیباچہ(ABSTRACT)


عنوان: محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ

صفحات: ۵۳

محقق: رب نواز احمدانی

نگران مقالہ: ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ

ڈگری: ایم ایڈ

ایریا: ٹیچر ایجوکیشن

یونیورسٹی: یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ ڈیرہ غازی خان۔

مقالہ ہذا چار ابواب کا حامل ہے۔

باب اول: ''تعارف'' پر مبنی ہے جس میں: علم کی تعریف، قصبہ رسول پور، ڈیرہ غازی خان ڈویژن اور ممتاز ادیب و محقق محمد اسلم رسول پوری کا مختصر تعارف پیش کیا گیا۔ اس میں طریق تحقیق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

باب دوم: میں'' متعلقہ ادب کا جائزہ'' لیا گیا جس میں ڈیرہ غازی خان میں: عربی، فارسی، بلوچی، انگریزی، اردو اور سرائیکی ادب و شاعری نیز کچھ منتخب ادبا و شعرا کا مختصر تعارف کرایا گیا۔

باب سوم: ''معطیات کی پیش کش اور تجزیہ'' پر مبنی ہے جس میں محمد اسلم رسول پوری کی ۱۸ تصنیفات کا جائزہ لے کر نتائج اخذ کیے گئے۔ اس باب میں محمد اسلم رسول پوری کے بارے میں اہل علم کی آرا کو بھی پیش کیا گیا۔

باب چہارم: میں خلاصہ، نتائج و حاصلات، سفارشات، کتابیات اور ضمیمہ پیش کردہ ہیں۔

محمد اسلم رسول پوری کی ۲۵ سالہ تدریسی خدمات کے علاوہ ان کی نثری تصنیفات: اردو اور جانگلی (سرائیکی) زبان و ادب کے لیے گراں قدر علمی اہمیت کی حامل ہیں۔

# تصدیق نامہ

تحقیقی مقالہ بعنوان:

''محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ''

رب نواز احمدانی رول نمبر: UE۔۸۔۶۱۷ نے میری رہنمائی میں مکمل کیا۔ میں طالب علم کے تحقیقی کام سے مطمئن ہوں۔ اس میں موجود مواد مقالہ نگار نے خود جمع کیا۔ یہ تحقیقی مقالہ ایم ایڈ ڈگری کے تقاضوں اور معیار کے مطابق ہے۔

**ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ**

سینئر سبجیکٹ سپیشلسٹ اُردو، بی ایس۔۱۹

ایم اے سیاسیات، ایم اے تاریخ (سند امتیاز)، ایم اے اردو،

ایم ایڈ، ایم فل اقبالیات (سند امتیاز)، پی ایچ ڈی اُردو۔

گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ (مردانہ)

ڈیرہ غازی خان، پاکستان

تاریخ: ۱۰۔ستمبر ۲۰۱۳ء

# منظوری نامہ
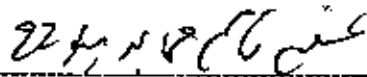
یہ تحقیقی مقالہ بعنوان:
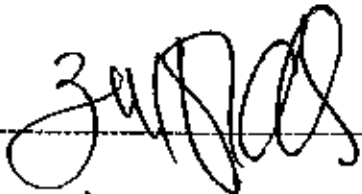
''محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ''
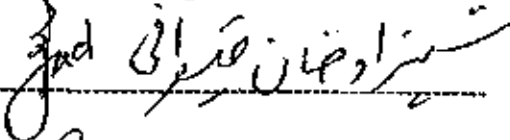
رب نواز احمدانی رول نمبر: UE-۸-۶۱۷ نے مکمل کیا اور یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور، گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ (مردانہ) ڈیرہ غازی خان کی Viva Voce Committee نے ایم ۔ ایڈ کی ڈگری کے تقاضوں کی جزوی تکمیل کے طور پر منظور کیا۔
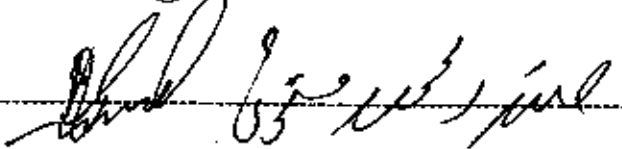
<u>Viva Voce Committee</u>

صدر نشین: ____________

نگران مقالہ: ____________

بیرونی ممتحن: ____________

سینئر سٹاف ممبر: ____________

ممبر: ____________

تاریخ: ۱۰ ستمبر ۲۰۱۲ء

# اظہارِ تشکر

میں اپنے پاک پروردگار، رحمت اللعالمین ﷺ کے بعد اپنے والدین کا ممنونِ احسان ہوں کہ جنہوں نے ہمیشہ حصولِ علم اور زندگی جہدِ مسلسل سے گزارنے کا درس دیا۔

اپنے محترم استاد ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ کا سپاس گزار ہوں کہ جنہوں نے نہ صرف اس علمی اور تحقیقی موضوع کو منتخب کیا بلکہ مجھے تحقیقی مقالہ تسوید کرنے کے رموز سے بھی متعارف کرایا۔ وہ اپنی علمی مصروفیات کے باوجود پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر قدم پر راقم کی بے لوث معاونت کرتے رہے۔ یہ انہی کی رہنمائی کا نتیجہ ہے کہ راقم ایم۔ایڈ کا مقالہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

جناب محمد اسلم رسول پوری صاحب میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے نہ صرف اپنے کوائفِ حیات اور اپنی تصنیفات و تالیفات کے ضمن میں نادر معلومات سے نوازا بلکہ انہوں نے اس تحقیقی ضرورت کے لیے متعدد کتب بھی عنایت کیں اور اس تحقیقی مرحلے کو سہل بنانے میں علمی حوالے سے راقم کی مشفقانہ حوصلہ افزائی کی۔

آخر میں محترم ظفر اقبال جنہوں نے علم دوستی میں اپنا ذاتی لیپ ٹاپ کمپوزنگ کے لیے عنایت کیا اور برادرم انجینئر شاہنواز نے مقالہ کمپوزنگ میں مدد فراہم کی، کا انتہائی شکر گزار ہوں۔

۲۵ اگست ۲۰۱۳ء

ر۔ن۔ا

# فہرستِ مندرجات

٭٭٭

## باب اول:

# ا۔ا: تعارف:

اللہ رب العزت علیم وخبیر ہے۔اوراس نے انسان کوعلم سکھایا۔اس نے قلم کی قسم کھائی کہ:

ن والقلم ومایسطرون۔(قرآن الحکیم:۱:۶۸)

سطریں لکھنا صرف خواندہ آدمی کا ہی ہنر ہوسکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیوں کہ اس سے علم محفوظ ہوتا ہے اور اس میں بآسانی اضافہ ہوتا ہے۔

## ا۔۲:علم کی تعریف:

فیروز اللغات میں علم کے معنی نوشتہ ہیں کہ:

''دانش،دانائی،واقفیت،آ گاہی،ہنر،فن،جوہر،جمع علوم۔''

ص:۹۰۲

علم انسانی فضیلت کا اعلیٰ معیار ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سے بہرہ مند کر کے دیگر تمام مخلوقات سے برتری کا شرف عطا کیا اور وہ مسجود ملائک کے مرتبے پر فائز کیے گئے۔علم کے بارے میں Dr. Ghulam Qasim Mujahid Baloch (2012) لکھتے ہیں کہ:

''علم کے معنی جاننے کے ہیں۔جو تحریریں انسان کی مثبت فکر میں اضافہ کرتی ہیں،وہ بنیادی طور پر تعلیم وتربیت کو بہتر بنارہی ہوتی ہیں۔ایسی تصنیفات کو کردار کی تعمیر کا علمی اثاثہ کہا جاتا ہے۔علم انسان کے فکر ونظر کو وسعت بخشتی ہے۔مہذب اور سلیقہ شعار بناتی ہے۔انسانی بردباری اور گذران کو بہتر بنانے میں معاون ہوتی ہے۔یہ انسان کی شخصیت کو عمدہ اور اعلیٰ کردار واقدار کی حامل بناتی ہے۔پرامن بقائے باہمی کی اوصاف سے متصف کرتی ہے۔نیکی اور بدی کے شعور سے آشنا کر کے صالح اعمال وافعال کی راہ پر گام زن کرتی ہے۔طلبہ کو اگر اس قسم کی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے تو معاشرہ مثالی ہوسکتا ہے۔'' ص:۳

## ا۔۳: رسول پور کا تعارف:

رسول پور تحصیل جام پور ضلع راجن پور ڈیرہ غازی خان ڈویژن کا ایک قصبہ ہے جو دریائے سندھ اور ڈیرہ غازی خان کراچی، شاہ راہ سے غربی جانب واقع ہے۔ رسول پور کی بیش تر آبادی بلوچوں کے ایک نامور قبیلہ احمدانی پر مشتمل ہے جن کے اجداد کیچ مکران بلوچستان سے کوچ کر کے اس خطے میں آباد ہوئے۔ اس بستی کے مکینوں کی شرح خواندگی صد فی صد ہے جو جنوبی ایشیا کی کسی بستی کے مکینوں کے لیے طرہ امتیاز ہے۔

## ۱-۴: ڈیرہ غازی خان:

''ڈیرہ'' دراصل لفظ ''دیرا'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ دیرا، عربی لفظ ''دیار'' سے ماخوذ ہے۔ دیار عربی میں بستی اور کوچہ کو کہتے ہیں۔ دیارا کا لفظ قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ لفظ استعمال کیا۔ شمالی عربستان میں ''دیار بکر'' کا شہر اب بھی موجود ہے۔ ''دیرا'' کے معنی بسیرا کے ہیں اور یہ لفظ گھر، خانہ اور بستی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ دیرا غازی خان ۱۴۶۹ء میں بلوچ سردار حاجی خان دودائی رند نے دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر اپنے بیٹے سردار غازی خان کے نام پر آباد کیا۔ سردار غازی خان کا مقبرہ خستہ حالت میں اب بھی ڈیرہ غازی خان شہر میں موجود ہے۔ حاکم ملتان، سلطان حسین لنگاہ نے جب دریائے سندھ سے مغربی علاقے کو اپنی سلطنت کے لیے خطرناک محسوس کیا تو اس نے بلوچستان و مکران کے بلوچ سرداروں سے اس علاقے کی حفاظتی ذمہ داری کے لیے درخواست کی جو انہوں نے قبول کر لی۔ اور اسی ذمہ داری کے عوض میں سلطان حسین لنگاہ نے دریائے سندھ کے پار کا مغربی علاقہ بلوچ سرداروں اور قبائل کو بہ طور جاگیر عطا کیا تھا۔ اس طرح پھر حفاظتی حصار کے طور پر سردار اسماعیل خان ہوت بلوچ نے ڈیرہ اسماعیل خان آباد کیا۔ سردار فتح خان بلوچ نے ڈیرہ فتح خان آباد کیا اور سردار غازی خان نے دیرا غازی خان کا قصبہ آباد کیا۔ ان بلوچ سرداروں نے اس علاقے کی پوری ذمہ داری کے ساتھ حفاظت کی۔ اُس عہد میں بلوچ قبائل مکران، سبی اور بلوچستان سے کثیر تعداد میں اس علاقے میں کوچ کر کے آباد ہوئے۔ ان بلوچ قبائل کے اخلاف ہنوز اس علاقے میں آباد ہیں۔ بلوچ جد سردار میر جلال خان کی اولاد کے بلوچ قبائل چوں کہ خود کو عرب کہتے ہیں اور اپنا قدیم وطن حلب و شام کو ظاہر کرتے ہیں جہاں سے امام حسینؓ کی شہادت کے وقت یہ بلوچ امامین کے طرف دار ہونے کی وجہ سے یزید کے عتاب کا شکار ہوئے تو یہ چوالیس گھرانے کسی طرح اپنی عزتیں بچا کر کرمان، مکران اور بلوچستان کے علاقے میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی کئی بستیوں کے نام بھی لفظ دیار کو

مبلج کر کے دیرا اور دیرہ کے نام سے آباد کیے، جیسے: ڈیرہ مراد جمالی، ڈیرہ اللہ یار، ڈیرہ بگٹی، رتو ڈیرو، ڈیرہ بکھا، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ فتح خان، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ۔ اس وقت ڈیرہ غازی خان کے خطے میں مختلف بلوچ قبائل: قیصرانی، ہمکانی، بزدار، کولاچی، گورمانی، نوانی، دستی ر دشتی، جلوئی، کھوسہ سخ، میرانی، سہرانی، قلندرانی، لیغاری، گورشانی، دریشک، سارنگانی، جونگلانی، مزاری، مستوئی، چانڈیہ، احمدانی، کلوئی، گوپانگ، گشکوری، گولہ، ہجانہ، رند، لاشاری، ہوت، کورائی، کردو وغیرہ آباد ہیں۔ اس خطے میں دیگر اقوام جاٹ، پٹھان، سید اور قریشی بھی آباد ہیں۔ اس ڈویژن کی شرح خواندگی ۶۰ فی صد کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ تاہم یہ خطہ کسی باقاعدہ یونی ورسٹی سے ہنوز محروم ہے۔ ڈیرہ غازی خان صوبہ پنجاب کا انتہائی جنوب مغربی علاقہ اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے جس سرحدیں تین صوبوں: بلوچستان، سندھ اور خیبر پختون خواہ سے ملتی ہیں۔ اس کا مشرقی علاقہ میدانی اور صحرائی جب کہ مغربی علاقہ کوہستانی ہے۔ جہاں کوہ سلیمانؑ کے سلسلے شمالاً جنوباً پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں تیل، گیس، یورینیم، پتھر، جپسیم، کوئلہ، لوہا جیسی قیمتی معدنیات کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے چار اضلاع میں: ایک بہ ذات خود ڈیرہ غازی خان، پھر راجن پور، مظفر گڑھ اور لیہ شامل ہیں۔ اس کے اہم شہروں اور قصبات میں: تونسہ شریف، کوٹ ادو، دائرہ دین پناہ، کوٹ سلطان، باہو (وہوا)، کوٹ قیصرانی، شادن لنڈ، شاہ صدر دین، بصیرہ، علی پور، روجہان، داجل، حاجی پور، محمد پور دیوان، جام پور، سخی سرور، چوٹی، کوٹ چھٹہ، رسول پور اور دیگر شامل ہیں۔ محمد اسلم احمدانی رسول پوری: اس کے قصبہ رسول پور کے سکونتی ہیں۔

## ۱۔۵: محمد اسلم رسول پوری کا تعارف:

ضلع راجن پور کی تحصیل جام پور کے جنوب مغرب میں تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر قصبہ رسول پور واقع ہے۔ یہاں بلوچ قوم کے معروف دانشور اور ماہر لسانیات اسلم رسول پوری رہائش پذیر ہیں۔ ان کے جد امجد احمد خان بلوچ تقریباً پانچ سو سال قبل بلوچستان سے کوچ کر کے خطہ ڈیرہ غازی خان آ کر آباد ہوئے۔ احمد خان بلوچ کی وفات کے بعد ان کی کثیر اولاد ڈیرہ غازی خان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی اور احمدانی قبیلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ احمدانی قبیلے نے متعدد دیہات اور معروف قصبہ چوٹی زیریں آباد کیا۔ ایک روایت کے مطابق مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے قصبہ چوٹی زیریں احمدانیوں سے خالی کرا کے لیغاری بلوچوں کے حوالے کر دیا۔ اسی احمدانی قبیلے کے کچھ بزرگوں نے ۱۹۳۳ء میں رسول پور کا قصبہ آباد کیا۔

## ۱۔۵۔۱: پیدائش:

محمد اسلم رسول پوری ۲۵ نومبر ۱۹۴۱ء کو رسول پور کے مقام پر پیدا ہوئے۔ البتہ کاغذات میں ان کی تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء درج ہے۔ آپ کے والد عبدالحکیم خان ادب اور طب سے دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ اردو اور سرائیکی کے شاعر بھی تھے اور عبد تخلص کرتے تھے۔

## ۱۔۵۔۲: ابتدائی تعلیم:

محمد اسلم رسول پوری نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول رسول پور سے حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۵۸ء میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول جام پور سے پاس کیا۔ ۱۹۶۱ء میں مظفر گڑھ سے جونیئر ورنیکلر کا امتحان پاس کیا۔

## ۱۔۵۔۳: ملازمت و معلمی:

۱۹۵۸ء میں میٹرک کرنے کے بعد خان پور ضلع رحیم یار خان میں تھوڑے عرصے کیلئے میونسپل کمیٹی میں بطور کلرک ملازمت اختیار کر لی۔ پھر جونیئر ورنیکلر پاس ہونے کے سبب ۱۹۶۲ء میں بطور معلم عملی زندگی کا آغاز کیا اور دوران ملازمت اپنی تعلیم بڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ چناں چہ ۱۹۷۱ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے اردو اور ۱۹۸۲ء میں گیلانی لاکالج ملتان سے قانون میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے ملازمت کے آغاز سے ہی ادب اور تصنیف و تالیفات میں بھی دلچسپی لینا شروع کی تھی۔ بحیثیت معلم وہ ڈیرہ غازی خان ڈویژن کے مختلف گورنمنٹ سکولوں جن میں پرائمری اور مڈل سطح کے دونوں ادارے شامل تھے، میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان میں گورنمنٹ پرائمری سکول بکھر پور رنز دلعل گڑھ، گورنمنٹ مڈل سکول محمد پور، گورنمنٹ مڈل سکول اللہ آباد، گورنمنٹ پرائمری سکول ماچھی والا نز دگدائی، گورنمنٹ پرائمری سکول ڈاہے والا، قابل ذکر ہیں۔ ان کے تدریسی خدمات سے اُن کے کئی شاگرد اعلیٰ عہدوں پر برسر روزگار ہوئے جن میں: پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم تارچ حال بلوچستان یونی ورسٹی کوئٹہ، لیفٹیننٹ جنرل عبدالمجید تارچ حال ملتان، میجر عبدالغنی تابش (اللہ آباد) حال لاہور، علی محمد ہانبھی ایڈووکیٹ حال راجن پور قابل ذکر ہیں۔ محمد اسلم رسول پوری نے ۲۵ سال تک معلمی کی ملازمت کے بعد ۱۹۸۷ء میں ریٹائرمنٹ لے لی اور پھر جام پور میں پیشہ وکالت سے وابستہ ہوئے اور تا حال اسی سے منسلک ہیں۔

### ۱۔۵۔۴: نصابی اور ہم نصابی سرگرمیاں:

محمد اسلم رسول پوری نے ملازمت کے دوران میں طلباء کی نصابی اور علمی تربیت کے علاوہ اساتذہ کے جائز حقوق کیلئے بھی جدوجہد کی۔۱۹۷۳ء میں پنجاب ٹیچر یونین تحصیل جام پور کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

### ۱۔۵۔۵: مشاغل:

پیشہ ورانہ تدریسی مصروفیات اور کتب بینی کے علاوہ محمد اسلم رسول پوری شطرنج بازی میں دلچسپی رکھتے رہے۔انہیں مچھلی کا شکار کرنا بھی پسند ہے اور اس سلسلے میں گاہے بگاہے ہنوز وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مچھلی کے شکار پر جاتے رہتے ہیں۔

### ۱۔۵۔۶: وکالت:

محمد اسلم رسول پوری کا خاندان جہاں تعلیمی میدان میں خدمات سرانجام دے رہا ہے وہاں وکالت کے پیشے سے بھی ان کے خاندان کے کئی افراد وابستہ رہے ہیں۔ان میں ان کے ماموں اور معروف لکھاری محمد اسماعیل احمدانی اور چھوٹے بھائی محمد اسحاق بلوچ شامل ہیں۔موخرالذکر اس وقت سانگھڑ (سندھ) میں وکالت کرتے ہیں۔محمد اسلم رسول پوری بحیثیت وکیل ہمہ نوع مقدمات میں پیش ہوتے ہیں تاہم ان کی زیادہ دلچسپی دیوانی مقدمات میں ہے۔وہ جام پور کے علاوہ ڈسٹرکٹ کورٹ راجن پور اور ہائی کورٹ ملتان بنچ میں بھی پیش ہوتے رہتے ہیں۔انہوں نے ہیومن رائٹس لاز چیمبرز کے نام سے بھی اپنا ایک دفتر قائم کیا ہے۔وہ چوں کہ انسانی حقوق کی تحریک سے وابستہ ہیں اس لیے بہت سے ایسے فوج داری مقدمات جو بلا جواز سیاسی بنیاد پر قائم کیئے گیے ہوں، وہ ان کی مفت وکالت کرتے ہیں۔ایسے رضاکارانہ مقدمات میں کئی بیواؤں کے مقدمات بھی شامل رہے جہاں انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔اور انہوں نے ان کا حق دلوایا۔وہ عام طور پر ایک محنتی، دیانت دار، انسانی حقوق اور غریبوں کے وکیل کے طور پر معروف ہیں۔انہوں نے بنیادی انسانی کے حقوق حوالے سے ایک اردو نوشتہ ۸ صفحاتی پمفلٹ ۲۷ جولائی ۱۹۹۵ء کو بہ عنوان ''پریس کانفرنس'' جام پور سے شائع کیا جس میں تین موضوعات: ''۱۔پاکستان میں کالے قوانین کی منسوخی کا مطالبہ۔۲۔انتظامیہ سے عدلیہ کی

علیحدگی۔۳۔جنوبی پنجاب (سرائیکی وسیب) میں انسانی حقوق کی صورت حال'' پر اظہار رائے کرتے ہوئے قانونی امور اور انسانی حقوق کی پامالی سے متعلق خصوصی شعور و آگہی دلانے کی دردمندانہ سعی کی۔تصنیف و تالیف کا علمی و ادبی اور تحقیقی سلسلہ ان کی علم دوستی کا مظہر ہے جو انہوں نے تواتر کے ساتھ جاری رکھا ہوا ہے۔

### ا۔۶: بیان مسئلہ:

''محمد اسلم رسول پوری کی علمی خدمات کا جائزہ'' لیا جائے گا۔

### ا۔۷: مقاصدِ تحقیق:

اس تحقیق کا مقصد محمد اسلم رسول پوری کی تصنیفات کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ان کی علمی افادی پہلوؤں کا مطالعہ کرنا اور ان کی علمی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ہے۔

### ا۔۸: تحقیق کی اہمیت:

خطہ ڈیرہ غازی خان کی ایک علمی شخصیت جس نے متعدد کتب تصنیف کی ہیں، انہیں زیرِ تحقیق لانا ہے۔قبل ازیں کسی نے ان پر تحقیق نہیں کی۔یہ ایک اہم علمی موضوع ہے۔اس تحقیق و تجزیہ سے ان کی کتب کا افادی پہلو منظر عام پر آئے گا۔

### ا۔۹: تحقیق کا ڈیزائن:

یہ تحقیق چار ابواب پر مشتمل ہے۔باب اول: تعارف، باب دوم: متعلقہ ادب کا جائزہ، باب سوم: معطیات کی پیشکش اور اس کا جائزہ، باب چہارم: میں خلاصہ، نتائج، سفارشات، حاصل کلام، کتابیات اور ضمیمہ وغیرہ پیش کردہ ہیں۔

### ا۔۱۰: آبادی:

محمد اسلم رسول پوری کی جملہ کتابیں آبادی تصور ہوں گی۔

### ا۔۱۱: نمونہ آبادی:

محمد اسلم رسول پوری کی جملہ کتب نمونہ آبادی تصور ہوں گی کہ یہ فی الوقت صرف اٹھارہ ہیں۔

## ۱۔۱۲: تحدیدات:

صرف سولہ کتابیں زیرِ تحقیق رہیں۔ دو کتابیں عدم دستیابی کے موجب زیرِ تحقیق نہیں لائی جاسکیں۔ ان کے صحافتی مضامین و مقالہ جات دائرۂ تحقیق سے الگ ہوں گی۔

## ۱۔۱۳: ذرائع تحقیق:

محمد اسلم رسول پوری کی مطبوعہ کتابیں موجود ہیں۔ انھیں زیرِ تحقیق لایا جائے گا اور ان سے روایتی انٹرویو لے کر بھی معلومات حاصل کی جائیں گی۔

## ۱۔۱۴: آلات تحقیق:

مصنف سے براہ راست حصول معلومات کے لیے صرف سادہ سوال نامہ کو بطور آلۂ تحقیق استعمال کیا گیا جو غیر رسمی تھا۔

## ۱۔۱۵: طریقہ حوالہ:

تمام حوالہ جات "A.P.A." (American Psychological Association) طرز پر رقم کیے گئے۔

☆☆☆

باب دوم:

# ۲۔۱: متعلقہ ادب کا جائزہ:

خطہ ڈیرہ غازی خان علمی حوالے سے خاصا زرخیز رہا ہے۔نویں صدی ہجری اور پندرھویں صدی عیسوی میں بلوچ قبائل جو مکران اور سبی بلوچستان سے اس علاقے میں کوچ کر آئے۔اور یہ خطہ انہوں نے سلطان حسین لنگاہ حاکم صوبہ ملتان سے بطور جاگیر حاصل کیا۔تو اس عہد میں بلوچی شاعری کا چہار دانگ عالم غلغلہ تھا۔اس عہد کے کلاسیک بلوچ شعراء گذرے۔ان میں: میر چاکر رند، میر گوہرام لاشاری، بی وَرَغ رند، ریحان رند، رحمان لشاری، ہیبت حان رند، جاڑو رند، شیخ مرید جیسے شہرہ آفاق شاعر شامل تھے۔ان کا کلام آج بھی بلوچ قبائل کے شعرا اور ادبی شخصیات کو از بر ہے۔ان کلاسیک شعرا کے بعد بالاچ گورگیج، جام دُرحق، توکلی مست، رحم علی مری، علی محمد کھاٹنک، صوبھا جروار، سکندر کھوہ سغ، پلیہ کھوہ سغ، غلام محمد بالاچانی، بشکیہ بن نورحان قیصرانی اور دیگر معروف بلوچ شعراء گزرے ہیں۔تاہم ان کے بعد بھی بلوچی شاعری کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اس خطے میں قدیم مطبوعات ومخطوطات کے حوالے سے قیاس ہے کہ: قرآن الحکیم، تفاسیر، صحاح ستہ، عربی وفارسی ادب وتاریخ کی کتب بشمول شاہ نامہ فردوسی، مثنوی مولانا روم، دیوانِ حافظ، گلستان وبوستانِ سعدی؛ ہندی مذہبی کتب اس خطے میں موجود رہی ہیں۔انیسویں صدی میں اردو شعرا کے دواوین کو شہرہ حاصل ہوا۔۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر جزوی اور بعد میں مکمل انگریزی قبضے کے بعد جدید مغربی طرز تعلیم مروج ہونے کے موجب، اشاعت کتب کو فروغ ملا۔فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں فارسی ادب کی اردو میں ترجمہ نگاری اور اردو کتب کی اشاعت کے ساتھ رائل ایشاٹک سوسائٹی بنگال کے توسط سے انگریزی کتب اور مضامین بھی شائع ہو کر منظر عام پر آنے لگے۔قصص الانبیاء، داستان امیر حمزہؓ، تزک تیموری، تزک بابری، ہمایوں نامہ، آئین اکبری، تاریخ منتخب الالباب، تاریخ فرشتہ، تزک جہاں گیری، شاہ جہان نامہ جیسی کتب برصغیر میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہیں۔برطانوی عہد میں مستشرقین اپنی تصانیف رقم کر کے شائع کرنے لگے اور وہ برصغیر کے دیگر علاقوں کی طرح خطہ ڈیرہ غازی خان کی تاریخ وادب پر بھی معلوماتی تصنیفات منظر عام پر لانے لگے۔الفنسٹن نے ۱۸۱۰ء ''The Kingdom of Kabul'' لکھی جس میں ڈیرہ غازی خان کا تذکرہ ہے۔لیفٹیننٹ

ایڈورڈ نے ''A year on the Punjab Frontier 1848-49'' لکھی۔ اس عہد میں ریاست قلات بلوچستان کے نائب ملا محمد حسن بروہی نے اپنا اردو دیوان مکمل کیا۔ میجر ریورٹی نے ۱۸۶۳ء میں ''نوٹس آن افغانستان اینڈ بلوچستان'' نامی تصنیف لکھی جس میں ڈیرہ غازی خان کے بارے میں معلومات مرقومہ ہیں۔ انہی ایام میں مستشرقین کے ساتھ ہندو مصنفین نے بھی ڈیرہ غازی خان اوراس کے بلوچ قبائل کے بارے میں وقیع معلومات پرمبنی اردوئی تصنیفات رقم کر کے شائع کیں۔ ۱۸۷۲ء میں رائے بہادر لالہ ہتورام نے ''گل بہار'' لکھی جو ڈیرہ غازی کی تاریخ اور یہاں کے بسنے والوں کے بارے میں ایک سدابہار تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۸۷۶ء میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر منشی حکم چند نے ڈیرہ غازی خان اوراس میں بسنے والی اقوام تمدن وثقافت وتاریخ کے بارے میں اپنی ضخیم وشان دار کتاب ''تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان'' شائع کی۔ ۱۸۸۵ء میں اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر رائے بہادر لالہ ہتورام نے ''بلوچی نامہ'' شائع کی۔ ۱۸۹۷ء میں اے ایچ ڈائیک نے ضلع ڈیرہ غازی خان کا جامع احوال نامہ ''ڈسٹرکٹ گزٹیر ڈیرہ غازی خان'' کی صورت شائع کیا۔ ۱۹۰۴ء میں لانگ ورتھ ڈیمز نے ایک اوراہم اورکلاسیک تصنیف ''دی بلوچ ریس'' شائع کی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اس خطے کے مسلمان اہل قلم بھی اپنی تصنیفات منظرعام پرلانے لگے۔ ۱۹۰۷ء میں ہیڈ ماسٹر اللہ بخش خان حکانی بلوچ نے اپنی تصنیف ''خاتم سلیمانیؒ'' شائع کی۔ اسی سال ۱۹۰۷ء میں رائے بہادر ہتورام اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تاریخ بلوچستان'' رقم کی۔ اوراسی سال ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر لانگ ورتھ ڈیمز نے ۱۳۰۰ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک کی کلاسیک بلوچی نظمیں تلاش کر کے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''پاپولر پوئٹری آف دی بلوچز'' مطبوعہ فوک لور سوسائٹی لندن، کی زینت بنایا۔ ۱۹۱۰ء میں مولانا صالح محمد ملغانی بلوچ جن کی علامہ اقبالؒ سے مکاتبت بھی رہی تھی، حضرت خواجہ سلیمانؒ تونسوی کا تذکرہ حیات شائع کیا۔ ۱۹۱۵ء میں سردار محمد اسلم ملغانی نے اپنا سماجی ناول ''سیر دیہات'' شائع کی اورانہوں نے امرتسر سے ایک اخبار ''المعین'' بھی جاری کیا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں سردار غلام رسول خان کورائی نے اپنی تصنیف ''تاریخ بلوچیاں یا بلوچ پنجاب میں'' شائع کی۔ ۱۹۲۸ء میں مولوی پیر بخش نے اپنی تصنیف ''آداب اطفال'' شائع کی۔ ۱۹۳۵ء میں دوست محمد خان حجانہ نے ''مسلمان طلبہ اورتاج برطانیہ کی خیر'' شائع کی۔ ۱۹۳۵ء میں محمد حیات خان بیدار رند بلوچ نے ''احسن البیان یا تاریخ بلوچاں'' شائع کی۔ قیام پاکستان سے قبل ہیڈ ماسٹر اللہ بخش خان بلوچ اپنی شعری تصنیف ''شاہ نامہ بلوچ'' مکمل کر چکے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں ڈیرہ غازی خان سے محمود خان بزدار نے ہفت روزہ اخبار ''بلال'' جاری کیا۔ ۱۹۵۷ء

میں ملتان سے مولانا نور احمد خان فریدی رند نے ماہنامہ ''بلوچی دنیا'' کا اجراء کیا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں بلوچستان میں بلوچی اکیڈمی کوئٹہ وجود میں آ چکی تھی اور ملتان و جنوبی پنجاب میں ''سرائیکی تحریک'' کا آغاز ہوا جس میں ایسے بلوچ اہل علم و قلم شعرا و ادبا بھی شامل ہو گئے جن کے اجداد سرکردہ قبائل کی صورت میں بلوچستان سے آ کر جنوبی پنجاب میں ہزاروں بستیاں بنا کر آباد ہو کر رچ بس گئے تھے اور ان کے اخلاف اپنی قومی بولی بلوچی بھول کر ''سرائیکی'' اپنا چکے تھے۔ ان بلوچوں کی سرائیکائزیشن سے سرائیکی زبان و ادب اور سیاست کو بڑا اسہارا ملا۔ وہ جملہ ذخیرہ الفاظ و اصوات جو بلوچی زبان کا اثاثہ تھے؛ لاکھوں بلوچ افراد اور سینکڑوں بلوچ قبائل کی ''سرائیکائزیشن'' سے وہ ہندی پراکرتوں میں منتقل ہوئے اور پھر ان پراکرتوں (بولیوں) کی لغت میں ہندی زبان سے الگ اور مختلف صورت گری ہوئی۔ جنوبی سندھی علاقے میں بلوچوں کی ''سندھائزیشن'' اور ان کی بلوچی بولی کے ذخیرہ الفاظ و اصوات کی ادغام سے سندھی بولی؛ ہندی سے الگ ہو کر موجودہ سندھی زبان کی صورت ظہور پذیر ہوئی۔ جب کہ شمالی علاقہ میں ہندی رپنجابی بولی میں بلوچی بولی کے وسیع ذخیرہ الفاظ و اصوات کے ادغام سے موجودہ سرائیکی ظہور پذیر ہوئی۔ ان زبانوں نے بلوچی زبان کے ذخیرہ الفاظ، حروف تہجی و اصوات، ثقافت و تصورات و ادب سے اثر لیا اس لیے ان کا لہجہ اور طور طریقہ ہندی سے مختلف ہو گیا جب کہ جملہ سازی کی ساخت سندھی اور سرائیکی دونوں کی؛ ہندی طرز پر برقرار رہی جو زبانوں کی رشتہ داری و اشتراک کی بنیادی خصوصیت تصور ہوتی ہے۔

چناں چہ برصغیر اور عالمی منظر پر انیسویں صدی اور مابعد: برصغیر میں انگریزوں کے قبضے کا عمل، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، سرسید احمد خان کی تحریک علی گڑھ ۱۸۶۹ء، کانگرس ۱۸۸۵ء اور مسلم لیگ ۱۹۰۶ء جیسی جماعتوں کا قیام، عالمی جنگ اول ۱۹۱۴ء، تحریک آزادی، تحریک خلافت ۱۹۱۹ء، علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء، دوقومی نظریہ تحریک ۱۹۳۳ء، عالمی جنگ دوم ۱۹۳۹ء، جدید سائنسی ٹیکنالوجی اور صنعتی دوڑ، تحریک پاکستان و تقسیم برصغیر ۱۹۴۷ء، ۱۹۶۵ء و ۱۹۷۱ء کی پاکستان و ہندوستان کی جنگیں اور سقوط بنگلہ دیش ۱۹۷۱ء نیز اردو بہ طور واحد پاکستانی قومی زبان کی پالیسی اور بنگالی زبان کا مسئلہ، فون، ریڈیو، ٹیلی وژن اور ٹیپ ریکارڈر کی میڈیائی ایجادات، انگریزی زبان کی بالادستی، دیگر قوموں اور ان کی زبانوں کی شناخت کے لیے جدوجہد، دنیا کی ۶۸۰۹ زبانوں میں سے نصف کا مستقبل قریب میں خاتمے کا خدشہ، عالمی معاشی کش مکش، سامراجی قوتوں اور ان کے کاسہ لیس بھیڑیوں کا بھیڑ کی کھال میں رہنے کی پالیسی اور اصلیت ظاہر ہونے پر خون خواری پر اتر آنے کے حالات و

واقعات، کمپیوٹر، انٹرنیٹ کی ایجادات سے عالمی معلومات تک بآسانی رسائی اور گلوبلائیزیشن کلچر منصۂ شہود پر آ چکے تھے۔

اسی تاریخی، سیاسی، تمدنی اور ادبی پس منظر میں محمد اسلم رسول پوری نے پہلے پہل ۱۹۷۳ء سے اپنی مکمل یا جزوی اردو تصنیفات: دوقدم کا ساتھی۔ سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ۔ سچل سرمست۔ بیدل سندھی۔ سرائیکی کا قاعدہ۔ کی اشاعت کا آغاز کیا۔ جب کہ بعدۂ سرائیکی تحریک اجاگر ہونے اور اس سے متاثر ہونے کے بعد ۱۹۸۰ء میں سرائیکی تصنیف: ''سرائیکی زبان اوندا رسم الخط اتے اوازاں'' کی اشاعت کا آغاز کیا۔ تاہم اردو نگاری میں بھی وہ برابر اپنا حصہ شامل کرتے رہے۔ ان کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہنوز باہتمام و کمال جاری ہے۔

☆☆☆

باب۔سوم:

# ۳۔ا:معطیات کی پیش کش اور تجزیہ:

## ۳۔ا:محمد اسلم رسول پوری کی تصنیفات اور ان کی علمی اہمیت کا جائزہ:

محمد اسلم رسول پوری اس وقت تک ۱۸ تصنیفات شائع کر چکے ہیں جو اردو اور جاتکی (سرائیکی) دونوں السنہ میں نوشتہ ہیں۔علمی اہمیت وافادیت کے حوالے سے ان کی تصنیفات کا بالحاظ سن اشاعت مختصراً جائزہ درج ذیل ہے:

## ۳۔۲:دو قدم کا ساتھی:

محمد اسلم رسول پوری(۱۹۷۳ء)دو قدم کا ساتھی،ڈیرہ غازی خان،بزم ادریس رسول پور،تعداد:۵۰۰۔

یہ چھوٹا سا کتابچہ:ان منظومات،غزلیات اور رباعیات کا مجموعہ ہے جو محمد اسلم رسول پوری کے دوست احباب اور خود انھوں نے اپنے فرزند محمد ادریس کی وفات پر کہے ہیں۔وہ ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو 24 جون 1971ء کو رسول پور میں پیدا ہوا اور 27 جون 1973ء کو دو سال دو دن کی عمر میں خالق حقیقی سے جاملا۔

"شہزاد میرے دل کی تمنا تھی
ادریس کو سینے سے لگاتا کوئی دن اور"

ص:۱۴

یہ منظومات غالبؔ کے مرثیۂ عارفؔ کی یاد دلاتے ہیں۔ان سے رسول پور جیسے دور افتادہ علاقے میں اُردو صنف مرثیہ کی بہر صورت پرداخت ہوتی نظر آتی ہے۔

## ۳۔۳:مارکسی نکتہ نظر اور ہمارا ادب:

محمد اسلم رسول پوری(۱۲ اکتوبر ۱۹۷۴ء)مارکسی نکتہ نظر اور ہمارا ادب،ڈیرہ غازی خان،بزم ادریس رسول پور،صفحات:۲۴۔

یہ مصنف کا ایک مختصر کتابچہ ہے جس میں انھوں نے اردو ادب کا جزوی طور پر مارکسی نقطہ نظر کے مطابق جائزہ لیا ہے۔اس میں انہوں نے ڈیرہ غازی خان میں اردو ادب کے موضوع پر بھی مختصراً لکھا ہے۔انہوں نے آغا اعجاز اکرم مرحوم اور کیف انصاری کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔رجحان کے اعتبار سے آغا اعجاز اکرم ترقی پسند

جب کہ کیف انصاری جدیدیت کے ضمن میں آتے تھے۔اس کتابچے میں جزوی طور پر سرائیکی ادب کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔گویا تصنیف میں صنف تنقید کا اظہار ہوا ہے۔

## ۳۔۴:سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ:

محمد اسلم رسول پوری(۱۹۷۶ء)سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ،ملتان،بزم ثقافت،صفحات:۴۸

تصنیف میں درج ذیل فہرستِ مضامین کے تحت معلومات پیش کیے گئے۔ہر مضمون کی اہمیت اس کے عنوان اور طوالت کو اس کی صفحات کی تعداد سے کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ہر عنوان کے سامنے صفحات کی توضیح پیش کی گئی ہے۔اسی تصنیف کے تعارف کی انداز میں کچھ دیگر تصانیف کی فہرستِ مندرجات بھی ان کے ذیل میں پیش کیے گئے ہیں۔



اس کتابچے میں محمد اسلم رسول پوری نے ابتدائی طور پر ۱۹۷۵ء میں سرائیکی رسم الخط کمیٹی کے فیصلے کا جائزہ لیا۔اس کمیٹی میں محمد اسلم رسول پوری خود بھی شامل تھے۔علاوہ ازیں انہوں نے سرائیکی رسم الخط کے ارتقاء کا جائزہ لیا۔رسم الخط کے بارے مختلف کمیٹیوں کی رپورٹس بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔حرف آخر کے طور پر سرائیکی کی محرومی کی بات کی گئی ہے۔

### ۳۔۴۔۱:تنقیدی جائزہ:

کتابچے میں جو رسم الخط ۱۹۷۵ء کی کمیٹی نے تجویز کیا تھا،وہ سرائیکی زبان کے لیے مفید نہیں تھا اور اس لئے اہل قلم نے اسے قبول نہ کیا بلکہ آج کل جو سرائیکی کیلیے رسم الخط استعمال ہوتی ہے وہ اُس سے مختلف ہے۔

کتابچہ،ادب میں لسانی نقد ونظر کی صنف کا حامل نظر آتا ہے۔

## ۴۔۵:سچل سرمست:

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۷ء) سچل سرمست، ملتان، بزم ثقافت ،صفحات:۱۵۱،تعداد:۴۰۰۔

اس اردوئی کتاب میں مصنف نے حضرت سچل سرمستؒ مدفون درازہ خیر پور سندھ کی زندگی کے حالات اور شاعری کو بیان کیا ہے۔اپنی اس تصنیف کے لیے محمد اسلم رسول پوری نے سندھ کا سفر کیا اور وہاں اسے کچھ ایسے لوگ ملے جن کو سچل سرمست کے کلام کا کچھ حصہ زبانی یاد تھا لیکن ان کے یاد کیے ہوئے حصے میں کمی بیشی کا عیب تھا۔اس لئے مصنف نے لوگوں کی یاداشت کے ساتھ ساتھ حکیم محمد صادق رانی پوری کے مرتبہ مجموعے سے بھی فائدہ اٹھایا۔اس کتاب میں مصنف نے حضرت سچل سرمست کی زندگی اور شاعری کے بارے میں ایک مضمون بھی شامل کیا ہے اور ضرورت کے مطابق اس کتاب کے آخر میں فرہنگ بھی دی ہے۔مشکل الفاظ کے معنی بھی حاشیے میں دیے گئے ہیں۔محمد اسلم رسول پوری نے اس کتاب میں کچھ مخصوص سرائیکی الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو اکثر جگہ مستعمل ہوئے ہیں۔اس لئے انہیں اس میں درج کیا گیا تا کہ قارئین کو پڑھنے میں دقت نہ ہو۔اس کتاب میں مصنف نے نہایت عمدہ اور محتاط طرز عمل اپناتے ہوئے حضرت سچل سرمست کا شجرہ نسب، سندھ میں آمد، پیری مریدی کا سلسلہ، پیدائش، بچپن وجوانی غرض زندگی کے متعدد پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔سچل کی سرائیکی شاعری، عشق رسول ﷺ، عشق الٰہی، خودی کا مثبت تصور اور فنی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔سچل سر مستؒ اپنے دعائیہ کلمات ان اشعار میں پیش کرتے ہیں:

ڈنگڑا نمانڑی دا جیویں تیویں جولنا
میلی ہاں یا مندی ہاں بیشک تیڈی بندی ہاں
ڈھکیں میڈا ڈھولنا میڈے عیب نہ پھولنا
پئی ہاں تیڈے بنارے لگی ہاں
تیڈی ذات ستاری ڈھو نہ میڈے گولنا
نال کوجھی دے جالنا اساں کنے ول آونا
یار سچل توں لہن کشالے

گھونگٹ اپنا کھولنا"

ص:۲۷

علمی افادیت کے حوالے سے تصنیف: تذکرہ حیات نویسی اور ترغیبِ تحقیق کے ضمن میں مفید نظر آتی ہے۔ جب کہ اس کی ادبی افادیت کا پہلو مستزاد ہے۔

## ۳۔۶: بیدل سندھی:

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۸ء) بیدل سندھی، ملتان، بزم ثقافت، صفحات: ۱۷۴، تعداد: ۵۰۰۔



اس کتاب کو مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اول میں وہ سندھ کے سرائیکی شاعر بیدل کے

حالات زندگی، شاعری کا سرسری مطالعہ اور اس کی سرائیکی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ بیدل کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے مصنف بیان کرتے ہیں کہ آپ بہت بڑے پرہیز گار اور درویش صفت انسان تھے۔ ایک روز آپ کے والد نے اپنے مرشد سے درخواست کی کہ دعا فرمایئے کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہو۔ اس پر انہوں نے دعا فرمائی اور کہا کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو صاحب شریعت و طریقت ہوگا۔ پیدائشی طور پر بیدل کا ایک پاؤں ٹیڑھا تھا۔ آپ کا نام شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام پر عبدالقادر رکھا گیا۔ لیکن بیدل نے احتراماً خود کو ہمیشہ قادر بخش کہلوانا پسند کیا۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بعدۂ مکتب میں داخل کیے گئے تو آپ الف سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن ان کی تصنیفات سے اس بات کا بہ خوبی علم ہوتا ہے کہ وہ عربی، فارسی، قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور طب پر خوب دست رس رکھتے تھے۔

محمد اسلم رسول پوری نے بیدل سندھی کے حالات زندگی کو وضاحت سے بیان کیا۔ ان کی شاعری پر بھی روشنی ڈالی۔ وہ لکھتے ہیں کہ: بیدل سندھی نے سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی زبانوں میں شاعری کی۔ اس حوالے سے انہوں نے ان کی مختلف تصانیف کے نام بھی لکھے اور ان کے شعری نمونے بھی بیان کیے ہیں۔

محمد اسلم رسول پوری نے بیدل سندھی کی سرائیکی شاعری کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ اسی طرح وہ بیدل سندھی کے لکھے ہوئے کچھ دوہڑے، کافیاں اور سی حرفیاں بھی کتاب میں نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے بیدل سندھی کے جامع حالاتِ حیات کو اس کتاب کے قارئین کے لئے بہ شرح صدر بیان کیا ہے۔ بیدل سندھی کا ایک دوہڑہ ملاحظہ ہو:

نرگس نین ساڈے دلبر دے یا وت پریم پیالے
بازاں وانگوں ڈیون باولیں ، کھاون خوب نوالے
بیدل ماس دلیں دا منگدے کون انھاں نوں پالے

دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں:

رانجھو نال پریت لگایم ، چھوڑ کے منا چاری
رنگ پور دے وچ مول نہ رہساں ویساں تخت ہزاری
نیناں دے وچ نین بکا کے، سرت گنوایم ساری
میں تاں رانجھو ہکو ہویس، کرندین شکر گزاری

بیدل سندھی کے علاوہ اس کتاب میں بیدل سندھی کے بیٹے محمد محسن بیکس کے حالات زندگی اور کلام کو بھی شامل کیا گیا ہے۔سادہ اسلوب نگارش کی حامل یہ جزوی اردوئی تصنیف: تذکرہ نگاری کی صنف میں ایک اہم اور یادگار اضافہ ہے۔

## ۳۔۷:سرائیکی کا قاعدہ:

محمد اسلم رسول پوری(۱۹۷۹ء)سرائیکی کا قاعدہ،صفحات:۱۲،تعداد:۵۰۰۔

مصنف نے اس چھوٹے سے قاعدے میں حروف تہجی لکھے ہیں۔مختلف الفاظ بنانے کے طریقے بتائے ہیں۔سرائیکی کے مخصوص حروف بیان کئے ہیں اوران کے استعمال کا طریقہ بتایا ہے۔مصنف نے اس قاعدے میں مختلف فقرات اور الفاظ کا فقروں میں استعمال کے علاوہ سرائیکی املاء کے بارے میں بھی بتایا ہے۔آخر میں سرائیکی کی گنتی کا طریقہ بتایا گیا ہے۔یہ قاعدہ سرائیکی سیکھنے کیلئے اردو بولنے والوں کے لئے لکھا گیا ہے۔تصنیف سرائیکی قواعد کے حوالے سے مفید نظر آتی ہے۔

## ۳۔۸:سرائیکی زبان اوندا رسم الخط اتے اوازاں:

محمد اسلم رسول پوری(۱۹۸۰ء)سرائیکی زبان اوندا رسم الخط اتے اوازاں،راجن پور،سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور تحصیل جام پور۔

اس کتاب میں سرائیکی زبان کے ارتقاء کی تفصیلی تاریخ بیان کی گئی ہے۔اس کے دوسرے باب میں سرائیکی رسم الخط کے ارتقاء کی تفصیل دی گئی ہے۔سرائیکی زبان کی آوازوں کے بارے میں خصوصی طور پر تحقیق کی گئی ہے اور یہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سرائیکی زبان کی مخصوص آوازیں کہاں سے آئیں اس سلسلے میں محمد اسلم رسول پوری کا خیال ہے کہ یہ آوازیں ہندوستان میں بولی جانے والی ایک زبان منڈاری سے سرائیکی میں آئی ہیں اور سرائیکی زبان کی بنیاد بھی وہ منڈاری زبان پر رکھتے ہیں جبکہ عام طور پر اس کو آریائی زبان سمجھا جاتا ہے۔

### ۳۔۸۔۱:تنقیدی جائزہ:

محمد اسلم رسول پوری کا یہ خیال کہ سرائیکی زبان منڈا گروہ کی زبانوں سے تعلق رکھتی ہے۔سرائیکی زبان میں نیا خیال ہے لیکن اردو میں اس سلسلے میں عین الحق فرید کوٹی نے بھی اس طرح کا خیال ظاہر کیا تھا۔اس طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد اسلم رسول پوری بھی اس خیال سے متاثر ہیں۔جب کہ اپنی ایک نئی کتاب ''سرائیکی دیاں

بچکارآوازاں'' میں محمد اسلم رسول پوری نے خود اپنے اس موقف سے اختلاف کیا ہے اوران آوازوں کو افریقی آوازیں کہا ہے۔ محمد اسلم ڈور کی کوڑی لائے ہیں۔ درحقیقت یہ آوازیں جو''نفخ فیہ'' کے زمرے میں شامل ہیں، بلوچی زبان میں بھی موجود ہیں جو ان کے اجدادکی بولی رہی تھی۔ یہ بلوچی اصوات: بلوچوں کی ''سرائیکائزیشن'' اور ''سندھائیزیشن'' سے ہی جاٹکی (سرائیکی) اورسندھی زبانوں میں منتقل ہوئی ہیں کیوں کہ برصغیر میں زبانوں نے مغرب سے مشرق کی طرف سفر کیا ہے۔ یہ زبانیں: خواہ آریائی سنسکرت تھی؛ عربی، بلوچی، فارسی، پشتو، ترکی یا انگریزی تھی، مغرب سے ہندوستان میں داخل ہوئی ہیں۔ بلوچی کی ایک اور صوت ''ڈ'' ابھی تک سندھی اور سرائیکی میں شامل ہونے کے لیے منتظر ہے۔ ماہرین السنہ کے مطابق: بلوچی ایک قدیم زبان ہے اورکوہ بے ستون ایران کی چٹانوں پر لکھی ہوئی اڑھائی ہزار سال قبل کی تحریریں، قدیم فارسی کی بجائے جدید بلوچی سے قریب تر نظر آتی ہیں۔ تصنیف: لسانیاتی تحقیق کے ضمن میں ایک فکرانگیز اضافہ ہے۔

## ۳۔۹: حمل لغاری:

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۸۹ء) حمل لغاری، ملتان، بزم ثقافت، صفحات: ۱۲۷، تعداد: ۵۰۰۔

۱۲۷صفحات کی حامل جزوی اردوئی نوشتہ تصنیف حمل لغاری بلوچ کے احوال حیات اوران کی شاعری کا تذکرہ ہے جو دو حصص اوردس درج ذیل عناوین کی حامل ہے۔ اس کے مندرجات کا خاکہ درج ذیل ہے:

حصہ اول:

۱۔ عرض ناشر: ۵۔۹

۲۔ حمل لغاری کے حالات زندگی: ۹۔۱۴

۳۔ حمل لغاری کی سرائیکی شاعری: ۱۴۔۲۷

۴۔ حمل لغاری کے اثرات: ۲۷۔۳۲

حصہ دوم:

۱۔ ڈوہڑے: ۳۵۔۶۷

۲۔ کافیاں: ۶۷۔۷۳

۳۔ منظومات: ۷۳۔۹۰

۴۔سی حرفیاں :۹۱۔۱۲۰

۵۔فرہنگ :۱۲۱۔۱۲۶

۶۔کتابیات :۱۲۷

تصنیف کے حصہ اول میں حمل لغاری کے حالات زندگی ،سرائیکی شاعری اور اسکے اثرات کا ذکر عمدہ انداز میں بیان کردہ ہیں۔اگر حمل لغاری کے کلام کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا واضح ثبوت مل جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیش رو شاعروں کا اثر قبول کیا ہے۔حمل لغاری کا ایک ڈوہڑہ جو محبوب کی زلفوں کی شان میں ہے،معروف ہے،کہ:

زلف دراز میڈے دلبر دے ناگ سہ ہن تے
کھاون کیتے پئے چھ ماری پیچ گھتی منہ اتے
ہک کھاوے بے ول ول کھاون مندر پڑھن جے متے
شابش حمل آکھ تھاں ، ہتھ پا جتھاں بہہ گئے

ص:۱۲۷

حمل لغاری نے اپنے اشعار میں لفظوں کو جس خوبصورتی سے باندھا اس کی مثال نہیں ملتی۔انہوں نے اپنے ایک ڈوہڑہ میں لفظ ڈکھ کو مختلف مفہوم کے ساتھ اس خوبصورتی سے باندھا ہے جیسے موتی،ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہوں:

ڈکھیاں دی سدھ ڈکھیاں کوں ڈکھ کنھاندے پیش نہ آون
ڈکھ مارن ڈکھ کھارن تے ڈکھ پٹ کلیجہ کھاون
ڈکھیاں دے پھٹ ڈکھیاں کوں ول ول ڈکھ ڈکھاون
حمل ہن محبوب ملے سکھ آون تے ڈکھ جاون

سادہ مگر معلوماتی و تجزیاتی انداز میں پیش کردہ تصنیف: تذکرہ نگاری کے ضمن میں اہم اور یادگار اضافہ ہے۔

## ۳۔۱۰: سزائے موت کیوں؟:

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۰ء) سزائے موت کیوں، ہیومن رائٹس لاز چیمبرز جام پور ضلع راجن پور۔

محمد اسلم رسول پوری نے علمی وادبی جدوجہد کے ساتھ انسانی حقوق کے بارے میں بھی کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ کتابچہ لکھا۔ ان کا خیال ہے کہ سزائے موت کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سزائے موت کے قانون سے بہت سے بے گناہ لوگ پھانسی پا جاتے ہیں کیونکہ پولیس اور مدعی لوگ ایف آئی آر میں اپنی دشمنی کی بنیاد پر بے گناہ لوگوں کو ملوث کر دیتے ہیں۔ ہمارے عدالتی نظام میں بھی بہت سی خرابیاں ہیں جس کی وجہ سے پورے طور پر انصاف نہیں ہوتا۔ اسلام میں اگرچہ بہت سے مقدمات میں قصاص کا حکم ہے لیکن اس بارے میں اسلم رسول پوری لکھتے ہیں کہ اسلام سب سے پہلے معاف کر دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ جبراً قصاص کا حکم نہیں دیتا۔ تصنیف کے ضمن میں ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ (۲۰۱۲ء) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''سزائے موت کیوں؟'' محمد اسلم رسول پوری احمدانی بلوچ ایڈووکیٹ کا سماجیات اور بین الاقوامی نوعیت کے موضوع کا حامل کتابچہ ہے جس کے آغاز میں سر ظفر اللہ کا پھانسی کے بارے بیان کردہ ایک اقتباس نوشتہ ہے۔ بعد ازیں مصنف کا ۶ صفحاتی ''ابتدائیہ'' پیش کردہ ہے۔ تصنیف میں تین عنوانات: ''سزائے موت کیوں؟۔ ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے۔ موت آتی ہے پر نہیں آتی'' کے تحت مباحث ہیں اور ۱۸ حوالہ جاتی کتب کی فہرست بھی مندرجہ ہے۔ مصنف کے نزدیک دنیا میں ۳۴ ممالک ایسے ہیں جہاں جرائم پر سزائے موت نہیں دی جاتی۔ ان میں اسٹریا، اسٹریلیا، پانامہ، پرتگال، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، فرانس، فلپائن، فن لینڈ، کولمبیا، وینز دیلا، لکسمبرگ، مناکو، ناروے، نیدرلینڈ، ویٹی کن، ہنڈراس، ہیٹی، یوراگوئے وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۸ ممالک ایسے ہیں جہاں سوائے جنگی جرائم کے سزائے موت نہیں دی جاتی اور عام جرائم پر سزائے موت کا قانون بھی نہیں۔ ۴۰ سے زائد ممالک ایسے ہیں جہاں ۱۸ سال سے کم عمر افراد کو سزائے موت دینے کی پابندی ہے۔ ان کے نزدیک ابتداً حمورابی (۱۷۸۵ ق م) کی قانون میں سزائے موت کا ذکر ملتا ہے۔ پھر بادشاہان وقت نے اپنے ناجائز اقتدار کو طول دینے اور اپنے مخالفین کو

ختم کرنے کے لیے پروہتوں اور ملکی تحفظ کے نام پر اسے مستقل رواج بنا دیا۔مصر،فلسطین اور یورپ میں اس پر مختلف طریقوں سے عمل کیا جاتا رہا۔سب سے پہلے ''بکاریا'' نے یورپ میں اس سزا کے خلاف تحریک چلائی۔سقراط کے نظریات بھی اس سزا کے خلاف تھے۔مصنف کے نزدیک بہت سے ایسے لوگ جو اس سزا کے مستحق نہیں ہوتے وہ اس قانون کی موجودگی کی وجہ سے حق حیات سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔انہوں نے سزائے موت دی جانے والی کئی اہم شخصیات: سقراط،حضرت عیسیٰ ؑ ،مانی،منصور حلاج،شہاب الدین سہروردی،جان آف آرک ،سر طامس مور،تامس کرامویل،برونو،دارا شکوہ،سرمد،محمد علی باب ، بھگت سنگھ،نواب نوروز خان بلوچ ، بھٹو،حمید بلوچ،محمود محمد طہٰ،چاؤ شسکو وغیرہ کا تذکرہ کیا۔

مصنف نے ایشیا، یورپ ،امریکہ میں اس سزا کے خلاف ردعمل کے بارے اردو میں معلومات فراہم کیں۔اسلامی نقطہ سے انسانی جانوں کی حرمت کے حوالے بھی پیش کیے۔انداز تحریر سادہ، شستہ اور مدلل ہے۔'' ص:۲۰۸

## ۲۔۱۰۔۱:تنقیدی جائزہ:

سزائے موت کے خاتمے سے جرائم میں اضافہ ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ جو لوگ متاثر ہوتے ہیں ان کی بھی اس طور پر تسلی نہیں ہوتی۔اسلم رسول پوری کے نزدیک قتل کی حد تک سزائے موت کو قائم رہنا چاہیے۔قتل ایک جرم ہے۔اور قرآن میں نفس کے بدلے نفس،کان کے بدلے کان،دانت کے بدلے دانت شرعی لحاظ سے جائز ہے۔تاہم اگر کوئی قصاص لے یا معاف کر دے تو مزید بھلائی ہے۔تصنیف :مصنف کی روشن ضمیری اور انسان دوستی کے حوالے سے خوب صورت جذبے کا اظہار ہے کہ انسان کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔جو ایک عمدہ اسلامی قدر ہے۔کتاب بنیادی طور پر اسی طرز فکر کی ترجمان ہے۔سماجی موضوع کی حامل یہ تصنیف معلوماتی ہونے کے ساتھ انسانی بقا کے حوالے سے مثبت سوچ کی ترجمان ہے جو مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاح کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہے۔

## ۲۔۱۱:لسانی مضامین:

محمد اسلم رسول پوری(۲۰۰۶ء)لسانی مضامین،راجن پور،سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور،صفحات:۹۰،تعداد:۳۰۰۔

نوے صفحاتی جاگی (سرائیکی) زبان میں نوشتہ تصنیف کے مندرجات، درج ذیل ۱۸ عناوین کے تحت

پیش کردہ ہیں:



تصنیف میں منیر احمد ثاقب ایڈووکیٹ نے مصنف کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔پہلی گالھ میں مصنف نے اس کتاب میں انسانی زبانوں کے بارے میں انتہائی عمدگی کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کیا۔مضمون: زبان دا ہک بنیادی مسئلہ، میں مصنف نے زبان کے مسئلے اور صلاحیت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔

ان کے نزدیک زبان ایک خاص صورت حال کو بیان کرتی ہے اگر صورت حال تبدیل ہو جائے تو زبان بے معنی ہو جاتی ہے۔اس کتاب میں مصنف نے ڈریڈا کے نقطہ نظر سے اختلاف کیا کہ ڈریڈا کے فلسفے کے مطابق لفظ کے معنی کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اور اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔اساڈی پہلی بولی کے مضمون میں مصنف اس نقطہ نظر کی حمایت کرتے ہیں کہ انسانوں کی بولی جانے والی تمام زبانیں ایک زبان سے نکلی ہیں۔اس کتاب میں مصنف نے منڈا خاندان کی زبان منڈاری اور سرائیکی کے آپس کے تاریخی اور لسانی رشتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔مصنف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سرائیکی اور پنجابی دو علیحدہ زبانیں ہیں۔مصنف اپنی اس کتاب کے مضمون, قندھاری سرائیکی دالہجہ، میں افغانستان میں بولی جانے والی زبان قندھاری کے بارے کہتا ہے کہ یہ سرائیکی زبان کا ایک لہجہ ہے۔مضمون اجڑی بولی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ صوبہ سرحد میں بولی جانے والی سرائیکی زبان ہے جسے غلط طور پر اجڑی زبان کہا جاتا ہے۔مضمون:وادی سلمان وچ لسانی تبدیلیاں، میں گزشتہ ایک سو سال میں ہونے والی لسانی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔مضمون "سرائیکی ادبی زبان دا مسئلہ" میں سرائیکی زبان کے ایک معیاری زبان ہونے کے مسئلے کی بات کی ہے اور بتایا ہے کہ ادبی زبان بھی ہمیشہ عوامی زبان سے نکلتی ہے جو خود ساختہ نہیں ہوتی۔مضمون:سرائیکی کی بقاء کا سوال، میں اپنا یہ خیال بیان کرتے ہیں کہ اگلے ایک سو سال میں دنیا کی ۹۰ فیصد زبانیں مر سکتی ہیں اور ان زبانوں کو مارنے میں انگریزی زبان کا بڑا حصہ ہے۔اس کے خیال میں سرائیکی زبان بھی اس خطرے سے دوچار ہے۔سرائیکی کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے اس کی سرپرستی ضروری ہے۔

مضمون: آریائی زبانیں دا شجرہ، میں مصنف، دنیا میں بولی جانے والی زبانوں کے مختلف خاندانوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں ایک بڑا خاندان آریائی خاندان ہے۔ہندوستان میں بھی بہت سی آریائی زبانیں بولی جاتی ہیں۔سندھی، سرائیکی، گجراتی، ہندی، بلوچی وغیرہ کو ہند آریائی خاندان میں شامل کیا جاتا ہے۔

مصنف اور دوسرے ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ بروشسکی کا کوئی خاندان نہیں۔تاہم اس زبان کی اصلیت دریافت کرنے کیلئے قدیم افریقی اور منڈاری زبانوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اس زبان کا ان خاندانوں کے ساتھ تعلق ہو سکتا ہے۔مصنف اپنے مضمون:پالی۔موئی ہوئی بولی، میں بیان کرتے ہیں کہ یہ زبان بدھ مذہب کی زبان تھی جو اب ختم ہو چکی ہے۔پالی ایک خود ساختہ زبان ہے جو بدھ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ٹیکسلا میں بنائی گئی اور اس کے لئے پشاچی زبان کو بنیاد بنایا گیا جو ٹیکسلا کے قریب بولی جاتی تھی۔تصنیف:متفرق

السنہ کی تاریخ اور ان کے وسیع تناظر کے ضمن میں ایک فکر انگیز اضافہ ہے۔

## ۳۔۱۲: سرائیکی قومی سوال:

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) سرائیکی قومی سوال، راجن پور، سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور۔

تصنیف کی فہرست مندرجات کا خاکہ درج ذیل ہے:



مصنف لکھتے ہیں کہ:

''سرائیکی خطہ وادی سندھ کے درمیانی علاقہ پر مشتمل ہے اور ماضی میں اپنی تاریخی وسعتوں کے ساتھ سات دریاؤں سندھ، جہلم، بیاس، چناب، راوی، ستلج اور ہاکڑہ کی سرزمین تک پھیلا رہا ہے ۔یہ خطہ اپنی نیچر میں ایک ہونے کی خواہش کا بھی متقاضی رہا ہے۔ سرائیکی قومی شعور کی growth میں کچھ سیاسی کارکن بھی رکاوٹ ہیں۔ان میں بعض اپنے ذاتی مفادات کی بنا پر یک جہتی نہیں چاہتے، ان میں سے بہت سے ایک دوسرے کی کھینچا تانی کے ساتھ الزام تراشی بھی کرتے ہیں۔اس میں ایک عنصر ان پارٹیوں کی قیادت کے شخصی رویے بھی ہیں جو دوسرے شخص کی قیادت تلے کام نہیں کرنا چاہتے۔ حالانکہ اصل کام تو عوام کو سمجھنا اور ان کے ساتھ جڑنا ہے تا کہ سیاست کے مرکزی دھارے کا حصہ بنا جا سکے۔'' ص:۴۲

تصنیف، سرائیکی قومیت کے حوالے سے سیاسی افکار و استدلال پر مبنی ایک نمایاں اضافہ ہے۔

### ۳۔۱۳: سرائیکی دیاں بچکار آوازاں:

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۹ء) سرائیکی دیاں بچکار آوازاں، راجن پور، سرائیکی پبلیکیشن رسول پور تحصیل جام پور، صفحات: ۴۱، تعداد: ۵۰۰۔

۴۱ صفحاتی تصنیف میں پیش کردہ فہرست مضامین کا خاکہ درج ذیل ہے جس کے آغاز میں دیباچہ بہ قدر دو صفحات پیش کردہ ہے۔



تصنیف میں دیباچہ سے مستزاد متذکرہ چھ ابواب شامل ہیں۔ جن میں زبان کے ارتقائی سفر کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز اس میں افریقی زبانوں کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ سرائیکی زبانوں میں استعمال ہونے والے کچھ مخصوص حروف ابجد کو بھی تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ب، ج، ڈ، گ، اردو پنجابی میں مستعمل نہیں جبکہ بلوچی اور سندھی میں یہ آوازیں موجود ہیں بلکہ بلوچی میں تو ان سے مزید آوازیں بھی موجود ہیں۔ انہوں نے اس باب میں پاکستان کی اس بولی کی مخصوص آوازوں کو قومی زبان میں استعمال ہونے والے حروف ابجد سے فائق بیان کر کے مخصوص اصوات کو روشناس کرایا ہے۔ آخر میں انہوں نے اپنے اس مختصر کتابچہ میں استعمال ہونے والے اہم اصطلاحات کی وضاحت بھی پیش کی ہے۔

### ۳۔۱۳۔۱: مواد کی خصوصیت:

پیش کردہ مواد کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس میں تحقیقی انداز اپنایا اور ہر بات کے آخر میں حوالے پیش کیے۔ اس میں انہوں نے جدید سائنسی ٹیکنالوجی انٹرنیٹ کا استعمال کیا اور ویب سائٹ کا برملا حوالہ دیا جو محقق کی دیانتدارانہ تحقیق کی عکاس ہے۔ جن کتب سے استعفادہ کیا ان کا بھی حوالہ دیا گیا۔ اگر چہ یہ کتاب

جائی (سرائیکی) میں ہے تاہم رسم الخط اردو سے مشترک ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے کتاب معیاری انداز میں محررہ ہے۔ فکری طور پر کتاب، تحقیقی سوچ کو ابھارنے میں معاون ہے۔ سرائیکی عبارت میں انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کا جا بجا استعمال نظر آتا ہے جو جدید اصطلاح فہمی میں علمی معاونت کرتے ہیں ان کا اسلوب نگارش سادہ ہے ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

''ڈوجھا سفر وی اوں نے افریقہ دی دریائے نیل دی وادی کنوں شروع کیتا۔ او ایشیاء وچ سیناء دے علاقے کوں عبور کر کے ڈوجھے وچ ونڈیج گیا۔ ہک حصہ یورپ ڈو چلا گیا اتے ڈوجھا حصہ انہیں پرانے رستیں نال پاکستانی علاقے وچ پہنچیا۔ ایں گروپ دا تعلق Halogroup-N نال ہا۔ پہلے اتے ڈوجھے گروپ دے کجھ لوک مشرق وسطیٰ وچ وی رہ گئے جنہاں کئی زبانیں اپنی نویں شکل بنڑائیں۔ اوں ویلھے انسان جیڑھی ابتدائی زبان الیند اہالسانی آثار دے مشہور ماہر ایڈونائی لینڈ (1927ء) اوکوں فرضی ناں صحارن ڈتے۔ ایڈونائی لینڈ دے مطابق اوں ابتدائی افریقی زبان دے اثرات سپین تے فرانس وچ بولی ونجن والی زبان Basque اتے جاپان دی ہک زبان Ainu دے علاوہ دراوڑی زبانیں سنسکرت وچ وی ملدن۔'' ص:۸

## ۳۔۱۳۔۲: تنقیدی جائزہ:

محمد اسلم رسول پوری نے اپنے پہلے خیال سے کہ یہ اصوات منڈاری زبان سے آئی ہیں جسے انہوں نے اپنی کتاب سرائیکی زبان اوندا رسم الخط اتے آوازاں میں بھی بیان کیا ہے، سے یہاں اختلاف کیا۔ اور اس طرح اپنے نقطہ نظر کو بہتر بنایا ہے۔ افادیت کے اعتبار سے یہ تصنیف تحقیقی اسلوب سیکھنے میں معاون ہے جو ادبی تحقیق کے زمرے میں شامل ہے۔ تحقیقی انداز میں نوشتہ معلوماتی تصنیف: زبانوں کے حوالے سے عالمی تناظر لیے ہوئے؛ پاکستانی زبانوں میں استعمال ہونے والے اصوات کے ضمن میں ایک اہم اور دلچسپ دستاویز ہے۔

## ۳۔۱۴: ستارے:

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۹ء) ستارے، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، صفحات: ۱۷۶۔

۱۷۶ صفحاتی تصنیف کے فہرست مضامین کا خاکہ درج ذیل ہے جہاں ۲۳ عناوین کے تحت مباحث پیش کردہ ہیں۔

پہلا حصہ:

تحقیق:



ڈوجھا حصہ:



تریجھا حصہ:

بہ حوالہ سرائیکی ادب شناسی ایک مختلف الجہت وقیع تصنیف پیش کی گئی جس میں تنقیدی پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔انداز نوشت سادہ اور موثر ہے۔

## ۳۔۱۵:سرائیکی زبان اتے لسانیات:

محمد اسلم رسول پوری(۲۰۱۰ء)سرائیکی زبان اتے لسانیات،ملتان،جھوک پبلشرز،صفحات:۱۲۸۔

۱۲۸صفحاتی تصنیف تین ابواب اور ۱۸ درج ذیل عناوین کی حامل ہے:۔

باب۔۱ مطالعے:

باب۔۲ مسائل:



باب۔۳ جائزے:



مصنف نے اس کتاب کے ہر عنوان میں علیحدہ علیحدہ موضوعات باندھے ہیں۔کتاب کے پہلے مضمون میں وادی ہاکڑہ کی پہلی زبان،کودریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔مصنف کا خیال ہے کہ وادی کی پہلی زبان وہ تھی جوافریقہ سے آنے والے انسان لےکرآئے تھے جواب ختم ہوچکی ہے۔لیکن سرائیکی زبان میں اس کے اثرات موجود ہیں۔مصنف نے دوسرے مضمون میں بہت سے ایسے سرائیکی الفاظ کا ذکر کیا ہے جن کوسنسکرت سے ماخوذ سمجھا جاتا ہے۔اس بارے میں مصنف کا خیال ہے کہ یہ لفظ اصل میں سرائیکی کے ہیں جو بعد میں سنسکرت میں شامل ہوئے۔اوراب انہیں پھر سے سنسکرت سے ماخوذ کر کے سرائیکی بنایا جارہا ہے۔

وہ قدیم مقامی زبانوں (پراکرتوں) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پراکرتیں یہاں پہلے سے بولی جانے والی زبانیں تھیں۔یہ کسی زبان کی بگڑی ہوئی صورتیں نہیں تھیں۔مصنف پراکرت کوسنسکرت سے ماخوذ نہیں سمجھتے بلکہ انہیں پرانی مقامی زبانیں سمجھتے ہیں۔لسانی سامراجیت اور مزاحمت کے بارے میں مصنف کا خیال ہے کہ بہت سی چھوٹی زبانیں بڑی زبانوں کے جبر کا شکار ہوئی ہیں اور سرائیکی کی بھی یہی صورت حال ہے۔گلوبلائزیشن میں مصنف اپنی پہلے والی بات کوآگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھوٹی زبانیں اپنی بقا کیلئے مزاحمت کا رول ادا کرسکتی ہیں۔اس سلسلے میں 21 فروری کو ماں بولی کا یوم منایا جاتا ہے۔مصنف کے خیال میں سرائیکی زبان کے انگریزی ہجے تین طریقوں سے لکھے جاتے ہیں۔Saraiki..Seraiki..Sraiki۔جب کہ سرائیکی

کے درست ہجے Siraiki ہیں۔دیگر دو غلط ہیں۔اس حوالے سے انہوں نے مدلل بحث کی ہے۔مصنف کتاب میں غیر آریائی زبانوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ایک انگریز افسر سر ولیم ہنٹر کی کتاب، ہندوستان اور بالائی ایشیا کی غیر آریائی زبانوں کی تقابلی لغت، کے اردو ترجمے کا جائزہ بھی پیش کرتے ہیں۔ان کے نزدیک اگرچہ اس کتاب میں تاریخی اور لسانی غلطیاں موجود ہیں تاہم یہ تحقیقی کام میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔
فکر انگیز معلوماتی تصنیف:لسانیات بالخصوص جاٹکی (سرائیکی) کے حوالے سے ایک وقیع کاوش ہے۔

## ۳۔۱۶: لیکھے:

محمد اسلم رسول پوری(۲۰۱۱ء)، لیکھے، ملتان، جھوک پبلشر، صفحات:۳۰۴۔

جاٹکی (سرائیکی) زبان میں نوشتہ تنقید وتحقیق کے حوالے سے مباحث پرمبنی ۳۰۴صفحات کی حامل تصنیف ۷ حصوں اور درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے:۔

پہلا حصہ:۷

نظری تنقید:۱۱

۱۔متن دی شرح:۱۳۔۱۸

۲۔مصنف دی موت:۱۹۔۲۴

۳۔تخلیق دا عمل:۲۵۔۳۰

۴۔ادبی نقاد دا منصب:۳۱۔۳۴

دوسرا حصہ:

عملی تنقید:

۵۔کلام فرید دی تفہیم وچ متن دی اہمیت:۳۷۔۵۰

۶۔کلام فرید اتے زندگی دی بے معنویت:۵۱۔۶۰

۷۔ہک بلا عنوان نظم دا تجزیہ:۶۱۔۶۶

۸۔اشولال۔۔۔وسیبی تہذیب دا شاعر:۶۷۔۷۶

۹۔سرائیکی شاعری دی نویں صنف۔۔۔سرائیکو:۷۷۔۸۴

تیسرا حصہ:

تحقیق:



چوتھا حصہ:

عالمی ادب:



پانچواں حصہ:

آرٹ:



چھٹا حصہ:

جائزے:

مصنف نے اپنے تنقیدی ادبی مضامین کے اس مجموعے میں اپنی ادبی تنقید کو آگے بڑھایا اور عالمی ادب کا بھی مختلف فکری حوالوں کے ساتھ تجزیہ کیا جس میں انسانی زندگی کی بے معنویت اور لایعنیت وغیرہ کا نظریہ شامل ہے۔مصنف نے بعض مضامین میں سماجی جبر کے خلاف شاعری میں مزاحمتی رویے اور امید کے عنصر کو اجاگر کیا اور اس سلسلے میں انہوں نے ممتاز حیدر کی شاعری کو موضوع بنایا۔اس کتاب میں جدید نظریوں کے بارے میں کچھ نظری تنقید پر مضامین بھی لکھے۔اور ان کی روشنی میں ایک آدھی نظم کے مفہوم کا انفرادیت کے حوالے سے جائزہ لیا۔خواجہ فرید کے فکری حوالے سے ان کی فکری اور زندگی کے کئی نئے پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کتاب میں مصنف نے تحقیق کا ایک حصہ شامل کیا ہے۔کتاب میں عالمی مصوری کے بارے میں دو مضامین شامل ہیں اور مصنف نے مصوری کے مزاحمتی رول کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور اس کے ساتھ ہی دو معروف تصویروں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کتاب میں مصنف نے کام کرتے وقت اپنی سوچ کو کسی ایک فکر کا پابند نہیں رکھا بلکہ آزاد متن کے حوالے سے تخلیقات کی اصل حقیقت کو جاننے کی کوشش کی اور مصنف کے اس رویے سے فکری ارتقاء کو ایک پیچیدہ قسم کی اکائی کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جو تاثراتی اور روایتی تنقیدی رویے سے شروع ہو کر آج کی سوچ پر آ پہنچے اور یہ زیادہ تر ترقی پسندانہ نقطہ نظر ہے۔زبانوں کو ہند آریائی کی بجائے انڈس یا پشاچہ گروپ میں شامل کیا جائے۔سرائیکی ادب میں تحقیق وتنقید کے حوالے سے ایک وقیع تصنیف پیش کی گئی جس میں اندازِ نوشت محققانہ اور مدلل ہے۔

### ۳۔۱۷: تلاوڑے:

محمد اسلم رسول پوری(۲۰۰۶) تلاوڑے، ملتان، بزم ثقافت، صفحات:۱۲۷۔

یہ کتاب محمد اسلم رسول پوری کے علمی اور تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ ہے جس میں تقریباً ۱۷ مضامین

شامل ہیں۔اس کتاب میں پیش کردہ مواد کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو افکار، جائزے، لوک ورثہ اور تلاوڑے ہیں۔تصنیف میں ایک مضمون ''سرائیکی وچ غزل دے امکانات'' بھی شامل ہے جس میں سرائیکی میں غزل لکھنے کی حمایت کی گئی ہے۔

### ۳۔۱۷۔۱:تنقیدی جائزہ:

غزل اردو روایت سے جانگلی (سرائیکی) میں آئی ہے اس لئے سرائیکی میں کم مقبول ہے۔سرائیکی میں غزل کہنے کی بجائے ڈوہڑہ کہنے کے امکانات زیادہ ہیں۔

علمی وادبی حوالے سے ایک معیاری تصنیف پیش کی گئی ہے۔

### ۳۔۱۸:وگھری زندگی:

کتاب دست یاب نہ ہو سکی ہے۔

### ۳۔۱۹:سرائیکی کے بارے میں سوال وجواب:

محمد اسلم رسول پوری کی اس تصانیف کے بارے میں بھی معلومات عدم دست یابی کے باعث اکٹھی نہیں کی جا سکی ہیں۔

### ۳۔۲۰:محمد اسلم رسول پوری کے بارے میں ادبا کے مضامین:

محمد اسلم رسول پوری کی تحقیقی ،تنقیدی ،ادبی اور علمی خدمات کے اعتراف میں مختلف ادبا نے اپنی نگارشات میں اظہار خیال کیا ہے۔ان میں سے چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے:

### ۳۔۲۰۔۱:خالد اقبال کی رائے:

خالد اقبال اپنی کتاب:''سرائیکی تنقیدی شعور'' میں لکھتے ہیں کہ:

''سرائیکی ادب میں تنقید اور تحقیق کاروں میں سے محمد اسلم رسول پوری کا نام بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔انہوں نے علمی ادبی موضوعات کے بارے میں اس وقت کام کا آغاز کیا جب دوسرے دانشور اس مشکل کام میں نہیں پڑتے تھے۔کیونکہ تنقید اور تحقیق بہت محنت اور لگن کا کام ہے۔محمد اسلم رسول پوری سرائیکی ادب کے پہلے ناقد ہیں اور علمی ادبی موضوعات کے بارے میں ایک

خاص نقطہ نظر رکھتے ہیں اور تنقید میں تحقیق اور تجزیے کی بنیاد پر اپنے کام کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے تنقیدی، تحقیقی نقطہ نظر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی کسی نقاد کے تجزیاتی اور تحقیقاتی کام میں مختلف عکس ہو سکتے ہیں لیکن ہم ان کے تنقیدی مضمون کی کتاب ''تلاوڑے'' پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے تنقیدی خیالات کی وجہ سے ایک واضح approach رکھتے ہیں۔ محمد اسلم رسول پوری علمی ادبی موضوعات کے بارے میں بحث کرتے ہوئے عمرانی نقطہ نظر سے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اور موضوع کے اندر رہتے ہوئے تخلیقی حسن کے ساتھ ان کا ذہن تحقیق اور تجزیے دونوں زاویوں کے ساتھ موضوع کی تلاش میں رہتا ہے۔ تلاوڑے میں آپ نے اسی طریقہ کار کو اپنایا۔ وہ اپنی اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

افکار۔ جائزہ۔ لوک ورثہ۔ اور چوتھا حصہ تلاوڑے کے عنوان سے ہے۔ محمد اسلم رسول پوری بہت وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ عمرانیات، سیاسیات، لسانیات، ادب، تحقیق اور دوسرے فنون لطیفہ کے بارے میں ان کی دلچسپی ان کی علمی اور فکری صلاحیتوں کی گواہی دیتی ہیں۔ محمد اسلم رسول پوری بہت بڑے تحقیق کار اور تنقید نگار ہیں۔ وہ دونوں حیثیتوں میں تحقیق اور تنقید کی کھوج میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد تخلیق ہے اور تخلیق ہی اصل حقیقت ہے۔ محمد اسلم رسول پوری محض تاثراتی تنقید نہیں کرتے بلکہ ان کی تحقیق اور تنقید کی بنیاد علمی وفکری مسئلہ رہی ہے۔ وہ خواجہ غلام فریدؒ کے کلام میں وجودیت کے نامکمل تاثرات کے بارے میں لکھتے ہیں۔ وجودی فلسفہ سب سے پہلے انسانی مسائل حل کرنے کے بارے میں سائنس کی صلاحیت پر شک وشبہ کا اظہار کرتا ہے۔ بعض مغربی مفکرین کے نزدیک سائنسی طریقہ صداقت کی تحقیق میں مدد نہیں دے سکتا۔ مسلمان صوفیاء کے نزدیک بھی ظاہری علوم حقیقت کی رسائی کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ اس کے لئے دل کو رہنما بنانا ضروری ہوتا ہے۔ کسی بھی علمی ادبی مسائل کے بارے میں مفروضہ کی اہمیت کے پیش نظر وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک کوئی مسئلہ نہ ہو تو تحقیق نہیں کی جا سکتی۔ سرائیکی ادب میں ایک زمانے میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا سرائیکی زبان میں غزل لکھی جا سکتی ہے۔ اس بارے میں محمد اسلم رسول پوری نے کسی شک وشبہ سے بالاتر ہو کر سرائیکی غزل کے

بارے میں واضح موقف اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ جہاں تک اس مفروضے کا تعلق ہے کہ غزل سرائیکی شاعری کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ یہ مفروضہ بنیادی طور پر غلط ہے۔ یہ سچ ہے کہ اگر صرف ادب کی معلومات اکٹھی کر لی جائیں تو پھر ایک رائے بنالی جائے۔ بلکہ تحقیق کا تعلق تو ایسے طریقوں کو جانچنا ہے جن کو بار بار جانچا اور پرکھا جائے تاکہ سچ ظاہر ہو۔ اس قاعدے کی رد سے وہ سرائیکی میں علامتی شاعری کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے علامت کے تصور کا بہت پیچھے سے اعادہ کرتے ہیں اور اپنے موقف بارے بے شمار جواز پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ صوفیاء کے کلام میں ہیر رانجھا، سسی پنوں اور منصور وغیرہ اپنے وسیع تر علاماتی مفہوم میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے معروضی حالات سے باخبر ہیں۔ سیاسی جبر اور تشدد کی بنا پر جن نئی علامتوں نے جنم لیا ان میں اندھیرا اجالا، بہار خزاں شامل ہیں۔ جو حاکموں کے سیاسی جبر اور جاگیرداروں کے معاشی استحصال کے نتیجے میں سامنے آئی ہیں۔ اس شاعری کو عام طور پر ترقی پسند شاعری سمجھا جاتا ہے اور سائیں ارشاد تونسوی سرائیکی شاعری کے ایک نمائندے ہیں۔ محمد اسلم رسول پوری کا سرائیکی شعراء کو مشورہ اپنی جگہ ایک اہم بات ہے لیکن اس سے اور زیادہ اہم یہ بات ہے کہ کیا سرائیکی شاعری کی ہر صنف کو عربی، فارسی اور اردو کے اوزانوں میں تولنا ضروری ہے؟ ہرگز نہیں۔ جیسے پہلے بات شروع کی گئی ہے کہ سرائیکی خطے کی شاعری کا ایک علیحدہ نظام ہے۔ محمد اسلم رسول پوری نے سرائیکی زبان میں تلفظ کے مسائل حل کرنے کے بارے میں تجویز دی ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے تلفظ کو قبول کر لیا جائے کیونکہ وہ تمام شاعروں کی نسبت سرائیکی زبان کے مزاج سے بہت واقف تھے۔ محمد اسلم رسول پوری نے سرائیکی قاعدوں کا مطالعہ بہت پیچھے سے کیا اور انہوں نے اپنے تحقیقی علم کے لئے وحید اختر کے نو بھتی قاعدے کو سرائیکی قاعدہ نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے عربی قاعدہ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ عربی حروف تہجی اور خط نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جس نے سب سے پہلے سرائیکی قاعدہ لکھا وہ قاضی راضی تھے۔ ان کے قاعدے میں مخصوص حروف اور ان کی علامتیں کچھ اس طرح تھیں ۔ب۔ج۔د۔ سرائیکی کے اضافی حرفوں کی کوشش کے بارے میں ان کا جائزہ لسانیات کے طالب علموں کے لئے بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ میانوالی کے لوک گیت میں انہوں نے

سرائیکی وسیب کے اہم علاقے کے لوگ گیتوں کے کچھ بولوں کو اکٹھا کرنے کو اپنی ثقافت کی گم شدہ نشانیاں تلاش کرنے کی کوشش قرار دیا ہے۔اس طرح سرائیکی لوک قصے کی تلاش اور لوک قصے کے بارے میں خصوصیات کا جائزہ حقیقت میں کسی بھی خطے میں قوم کے مزاج، مذہب، رسم و رواج، تہذیب اور ثقافت کو جاننے کی حقیقی کاوش کا نام ہے۔محمد اسلم رسول پوری اپنی کتاب تلاوڑے میں کچھ چھپی ہوئی کتابوں کو تنقیدی ترازو میں ڈالتے ہیں۔ پیت دے پندھ، محمد اسماعیل احمدانی کا سفر نامہ؛ اچی دھرتی جھکا آسماں: افسانے از مسرت کلانچوی، سانولی دھپ: افسانے اسلم قریشی کا فنی جائزہ ان کی تجزیاتی اور تاثراتی تنقید کا عمدہ نمونہ ہے۔

میرے خیال میں پوری کتاب پر رومانی فضا طاری ہے۔اور میں دکھ اور غم کی کیفیت میں پڑا رہ گیا۔کئی افسانے ایسے بھی ہیں جن کا آخر اگرچہ خوشگوار تھا لیکن آخر تک دل دھڑکتا رہ گیا کہ کیا بنے گا۔اسلم قریشی کے افسانے میں کسی مربوط فکری نظام کی تلاش بے سود ہے۔لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے افسانے خلا میں تخلیق کیے گئے ہیں۔ان کا افسانہ ''میڈیو سے'' ہمارے سماج میں ''وٹے سٹے'' کے خوفناک انجام کی ایک کہانی بنتا بنتا رہ گیا۔یہ دو بہنوں کے بھائیوں کی کہانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔سرائیکی زبان و ادب کے تنقید نگار اسلم رسول پوری اس طور نظریاتی اعتبار کے ساتھ ترقی پسند ہیں کیونکہ وہ اپنے وسیب کے مسائل کا مکمل ادراک رکھتے ہیں اور اپنی عوام کی محرومیوں کا ازالہ چاہتے ہیں اور ادب، شاعری اور دوسرے فنون کو زندگی کی خوبصورتی میں دیکھتے ہیں۔وہ جاگیرداری اور خاندانی نظام اور بکاؤ سیاست کو اپنی ترقی میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ سرائیکی دانشوروں، تخلیق کاروں اور تنقید نگاروں کے خیال کے مطابق ترقی پسندی ان روایات سے بغاوت نہیں بلکہ روایت کے شعور کے ساتھ جدت پسندی کو اپنانے کا نام ہے۔''ص:

### ۳۔۲۰۔۲: ڈاکٹر طاہر تونسوی کی رائے:

ڈاکٹر طاہر تونسوی: محمد اسلم رسول پوری کی نئی چھپی ہوئی تنقیدی کتاب ''نتارے'' میں ان کی تنقید اور ترقی پسندانہ رویئے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''محمد اسلم رسول پوری ایک ترقی پسند دانشور ہیں اور سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی پہلو پر انہوں نے

قلم اٹھایا اور ترقی پسندانہ رویے کا اظہار کیا۔ انہوں نے ادب کو مارکسی نقطہ نظر سے دیکھا اور تنقید کے حوالے سے سرائیکی تحریروں کو جانچنے کا اہم فریضہ انجام دیا۔ محمد اسلم رسول پوری نے ایک غیر جانبدار اور تعصب کے بغیر سرائیکی زبان و ادب کے لکھاریوں کا تخلیقی جائزہ لیا۔ محمد اسلم رسول پوری نے سرائیکی وسیب اور اس خطے میں تخلیق ہونے والے ادب کا مطالعہ سماج اور معاشرے کے تعلق کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ اس طرح ان کا تنقیدی رویہ عمرانیات کا مطالعہ بھی بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تنقیدی رویے میں صرف ترقی پسندی نہیں بلکہ وہ سرائیکی سماج اور عمرانیات کی روشنی میں تخلیق کاروں کے رویے کا جائزہ سیاسیات اور اقتصادیات کے علاوہ تہذیب کو بھی سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔'' ص:

## ۳۔۲۰۔۳: محمد اسلم رسول پوری کے لسانی نظریات کا اجمالی جائزہ:

محمد اسلم رسول پوری سرائیکی زبان کے معروف محقق ہیں۔ انہوں نے جدید سائنسی تحقیق اور دلائل کے ذریعے سرائیکی لسانیات کا احاطہ کیا ہے۔ موجودہ دور میں اسلم رسول پوری سرائیکی زبان کے واحد محقق ہیں جنہیں ماہر لسانیات کہا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر ماہرین لسانیات نے ان کی زبانوں پر تحقیق کو سراہا ہے۔ ''لسانی مضامین'' ان کی سرائیکی زبان پر تحقیقی کاوش ہے۔ یہ کتاب ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۰۰۶ میں سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور سے شائع ہوئی۔ زبان کا ایک بنیادی مسئلہ ڈریڈار دتشکیل تے معنی دی حرمت، اساڈی پہلی بولی سرائیکی تے منڈاری دے تاریخی اتے لسانی رشتے، سرائیکی تے پنجابی ڈو زباناں، سرائیکی دا ہک لہجہ قندھاری، اجڑی بولی یا سرائیکی، وادی سلیمان دے وچ لسانی تبدیلیاں، پالی: ہک موئی ہوئی زبان، پاکستان دیاں آریائی زباناں، تامل، ترکی اتے سرائیکی، اس کتاب کے اہم موضوعات ہیں۔

محمد اسلم رسول پوری 'لسانی مضامین' میں لکھتے ہیں کہ:

''بہوں سارے ماہرین لسانیات ایں ہک پہلی زبان دی حمایت کریندن اوایندے حق وچ دلیل ڈیندن جو دنیا دی ساری زبانیں دیاں اصوات زیادہ تر ہک بے دے نال ملدین اتے ڈوجھی گالھ دنیا بھر دی وڈیں وڈیں زبانیں دی لغت دی تہ وچ ونجوں تاں حیرت انگیز اشتراک مل ویندے۔'' ص:۷۶

سرائیکی اور منڈاری کے تاریخی اور لسانی رشتے کے بارے میں محمد اسلم رسول پوری رقم طراز ہیں۔

''منڈا قبائل دی قدیم منڈاری زبان وادی سندھ دے بیشتر علاقے وچ کیہل اتے بھیل وغیرہ الیندے ہن جیہڑے زیادہ سرائیکی وسیب وچ وسدے پئے ہن۔ ات واسطے سرائیکی اتے منڈاری زبان دے درمیان سب کنوں پرانا تاریخی اتے لسانی رشتہ اے۔ منڈاری زبان دے قبیلے کول (کیہل) بھیل اج وی سندھ اتے سرائیکی وسیب وچ دریائے سندھ دے کنارے آباد ہن اتے اپنے مخصوص لہجیں وچ انہی آوازیں کوں ہو بہو الیندین۔'' ص: ۷۷

ان کے مطابق سرائیکی اور پنجابی کا ارتقاء مختلف علاقوں اور مختلف حالات میں ہوا لیکن دونوں ایک دوسرے کی ہمسایہ زبانیں ہیں اس لئے ان میں بہت زیادہ corsespandance موجود ہے اس کے علاوہ اسلامی اثرات کی وجہ سے ان میں بہت زیادہ عربی فارسی اور ترکی لغت شامل ہوگئی ہے جس وجہ سے بعض لوگ اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے بھی ان دو زبانوں کو ایک زبان کہتے ہیں۔ سرائیکی اور پنجابی میں ذخیرہ الفاظ کا فرق واضح ہے۔ اسلم رسول پوری بیان کرتے ہیں کرتے ہیں:

| سرائیکی | پنجابی | سرائیکی | پنجابی |
|---|---|---|---|
| پب | پنجہ | ابھا | شمال |
| پردتھا | باسی | لماں | دکھن |
| تھوڑ | بل | سَتھل | ران |
| بیا | ہور | ترے | تن |
| چیل | کمر | اوندا | اوہدا |

ص: ۷۸

سرائیکی زبان کے قندھاری لہجے کے بارے میں اسلم رسول پوری لکھتے ہیں کہ:

''سرائیکی دا قندھاری لہجہ جیکوں ہندو ملتانی اہدن، اج وی ملتانی لہجے نال ملدا اے۔ قندھاری دی گنتری ہک کنوں سو تک بالکل ہکا اے جیہڑی اج وی سرائیکی دے ملتانی لہجے وچ الائی ویندی اے۔''

قندھاری، ملتانی اور سرائیکی کے مصادر بھی ایک جیسے ہیں مثلاً:

| قندھاری | سرائیکی | قندھاری | سرائیکی |
|---|---|---|---|
| پیون | پیون | ڈیکھن | ڈیکھن |
| مارن | مارن | اکھن | اکھن |

ص:۷۹

اسلم رسول پوری کے مطابق اب تک دریافت ہونے والے شہر کوٹ، دیجی، موہن جوڈیرو (موئن جودڑو)، گنویری وار، جلیل آباد اور ہڑپہ کے درمیان مرکزی حیثیت سرائیکی علاقے کو حاصل رہی ہے۔ یہاں کی زبانیں جب بیرونی دائرے کی ابتدائی آریائی زبان کے ساتھ شامل ہوئیں اور جو زبان وجود میں آئی ماہرین اسے لہندا کا نام دیتے ہیں۔ دوسری زبانوں کے ساتھ لہندا کے ملاپ سے مختلف لہجے اپنی اپنی جگہ اب بھر لش میں تقسیم ہو گئے۔ مرکزی اور وسطی لہندا نے سرائیکی کا روپ اختیار کیا۔ جنوبی لہجے نے سندھی کا روپ دھارا۔ سوات کے علاقے میں کچھ لوگوں کو 'اجڑ' کہا جاتا ہے اور وہ مویشی چراتے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان کو، اجڑی کہا جاتا ہے جو کہ اصل میں سرائیکی زبان ہے۔ اسلم رسول پوری اجڑی اور سرائیکی لغت کا اشتراک اس طرح واضح کرتے ہیں:

| اجڑی | سرائیکی | جڑی | سرائیکی | جڑی | سرائیکی |
|---|---|---|---|---|---|
| بھیڈ | بھیڈ | مونڈھ | مونڈھا | ویں | ویہہ |
| چٹو | چٹا | کوکڑی | ککڑ | سواگہ | سواء |

ص:۸۰

اسلم رسول پوری اپنی تحقیق میں منڈاری، پنجابی، قندھاری اور اجڑی بولیوں کے لسانی اشتراک سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سرائیکی زبان کا منڈا قبائل سے گہرا تعلق ہے۔ مجموعی طور پر اسلم رسول پوری سرائیکی زبان کے ان چند ماہرین لسانیات میں سے ہیں جنہوں نے سرائیکی زبان کے لسانی حقائق کو واضح کیا ہے۔ ان کے علاوہ جدید ماہر لسانیات میں ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز، ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر گورگیج بلوچ اور سید ناصر عباس رضوی کے نام شامل ہیں یہ تمام صاحبان گاہے گاہے مضامین اور کتابچوں کی صورت میں سرائیکی زبان کی تحقیق میں مصروف کار ہیں۔ محمد اسلم رسول پوری کی تصنیفات مجموعی طور پر جنوبی پنجاب میں ایک فکری علمی اثاثہ کی صورت میں سامنے آئی ہیں جن میں ان کے اردگرد کی تہذیب، ادب، زبان اور وسیب کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ انہیں اہل فکر و دانش قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

باب۔چہارم:

# ۴: خلاصہ، نتائج وحاصلات، سفارشات، کتابیات، ضمیمہ:

## ۴۔۱: خلاصہ:

محمد اسلم رسول پوری بنیادی طور پر نثر نگار ہیں تاہم ان کی بیش تر تصنیفات جاگلی (سرائیکی) میں جب کہ متعدد اردو میں بھی نوشتہ ہیں۔انہوں نے زبان وادب اور سرائیکی لسانیات کے علاوہ: تذکرہ نگاری، سماجی موضوعات، تحقیق وتنقید وغیرہ کو اپنی تصنیفاتی قلم رو میں شامل کیا۔مقالہ چار ابواب: تعارف۔متعلقہ ادب کا جائزہ۔معطیات کی پیش کش اور تجزیہ۔خلاصہ، نتائج وحاصلات، سفارشات، کتابیات، ضمیمہ جات کا حامل ہے۔

## ۴۔۲: نتائج وحاصلات:

محمد اسلم رسول پوری کی تصنیفات محنت اور سنجیدہ فکری کا مظہر ہیں۔انہوں نے دو زبانوں میں منثور اظہار خیال کیا۔اپنے وسیب سے اپنا تلازمہ ادب تلاش کیا جو ان کی وطن اور بشر دوستی کا مظہر ہے۔انہوں نے اپنی کئی تصنیفات میں تحقیقی انداز نوشت اپنایا جو ان کی جدت پسندی کا اظہار ہے۔ان کی اٹھارہ تصنیفات کا تعارفی حد تک مختصراً جائزہ لیا گیا۔جن میں چند کتابچے اور دیگر کتب ہیں۔وہ ایک نظریاتی ادیب، محقق، نقاد اور ماہر زبان ہیں۔سرائیکی زبان وادب اور خطے سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔علمی حوالے سے انہوں نے معیاری تصنیفات شائع کر کے اہل خطہ کو ادبی تحقیقی، سماجی، لسانی اور سیاسی شعور عطا کرنے کی بساط بھر سعی کی۔اردو اور سرائیکی السنہ کے لیے ان کی تصنیفاتی کاوشیں قابل قدر علمی اثاثہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

## ۴۔۳: سفارشات:

☆محمد اسلم رسول پوری کی متعدد تصنیفات مارکیٹ سے نایاب ہیں۔ان کے جدید ایڈیشن منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

☆ جنوبی پنجاب میں اہل قلم کی کوئی ایسی مرکزی انجمن موجود نہیں جو ان کی کتب کی ایک پلیٹ فارم سے اشاعت کا اہتمام کرے۔ بالخصوص دریائے سندھ کے مغربی جانب کے ادباء اور شعرا ملکی سطح پر نظرانداز کردہ ہیں۔ ان کی تصنیفات کی اشاعت و پروجیکشن کے لیے ڈیرہ غازی خان میں ایک سرکاری اشاعتی اکیڈمی کا قیام ناگزیر ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے اہل علم و قلم، اشاعتی معاملات کے ضمن میں باسانی استفادہ کر سکیں۔

☆ ڈیرہ غازی خان کے اہل علم، ادبا اور شعرا کا ملکی میڈیا پر روشناسی کا کوئی معتبر اور تسلی بخش اہتمام مفقود ہے۔ ادبا و شعرا جو امن و آشتی کے پیام بر ہوتے ہیں، ان کے لیے قومی میڈیا پر ایک مستقل تعارفی پروگرام نشر کرنا مناسب ہے۔

☆ ڈیرہ غازی خان کے دور دراز کے ادبا کی سرکاری سرپرستی نہ ہونے کے برابر ہے۔ قومی تقریبات میں ان کی شرکت، داد و تحسین اور اعزازات عطا کرنے سے جہاں ان کی حوصلہ افزائی ہوگی وہاں ترغیب علم و ادب اور امن کی منزہ و معطر فضا قائم کرنے میں بھی خوش گوار مدد ملے گی۔

☆ اس مقالہ کو شائع کیا جائے اور ویب سائٹ پر "اپ لوڈ" کر دیا جائے تو نہ صرف فروغ علم اور علمی رویوں کا دائرہ وسیع ہوگا بلکہ مقامی اہل علم و ادب کا ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بھی برابر تعارف ہوگا۔

☆☆☆

# ۴۔۴: کتابیات:


خالد اقبال () سرائیکی تنقیدی شعور۔

غلام قاسم مجاہد بلوچ، ڈاکٹر (۲۰۱۲ء) اردو کے لیے پاکستانی بلوچوں کی خدمات، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (غیر مطبوعہ)، خیر پور سندھ پاکستان، شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی، شعبہ اردو۔

غلام قاسم مجاہد بلوچ، ڈاکٹر (۲۰۱۲ء) ایجوکیشنل اینڈ ووکیشنل گائیڈنس نوٹس (غیر مطبوعہ)، ڈیرہ غازی خان، گورنمنٹ کالج برائے ایلیمنٹری ٹیچرز ٹریننگ، مردانہ، غازی پارک۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۳ء) دو قدم کا ساتھی، ڈیرہ غازی خان، بزم ادریس رسول پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۲۷ کتوبر ۱۹۷۴ء) مارکسی نکتہ نظر اور ہمارا ادب، ڈیرہ غازی خان، بزم ادریس رسول پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۶ء) سرائیکی رسم الخط کی مختصر تاریخ، ملتان، بزم ثقافت۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۷ء) تچل سرمست، ملتان، بزم ثقافت۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۸ء) بیدل سندھی، ملتان، بزم ثقافت۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۷۹ء) سرائیکی کا قاعدہ۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۸۰ء) سرائیکی زبان اوندا رسم الخط اتے اوازاں، راجن پور، سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور تحصیل جام پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۱۹۸۹ء) حل لغاری، ملتان، بزم ثقافت۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۰ء) سزائے موت کیوں، راجن پور، ہیومن رائٹس لاز چیمبرز جام پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) لسانی مضامین، راجن پور، سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) سرائیکی قومی سوال، راجن پور، سرائیکی پبلیکیشنز رسول پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) تلاوڑے، ملتان، بزم ثقافت۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) سرائیکی دیاں بچکار آوازاں، راجن پور، سرائیکی پبلیکیشن رسول پور تحصیل جام پور۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) نتارے، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) سرائیکی زبان اتے لسانیات، ملتان، جھوک پبلشرز۔

محمد اسلم رسول پوری (۲۰۰۶ء) لیکھے، ملتان، جھوک پبلشرز۔

ممتاز خان ڈاہر () سرائیکی قومی تحریک کے بے لوث کارکن۔


☆☆☆